"جب تو شرم محسوس نہیں کرتا، تو پھر جو چاہے وہ کر" (بخاری)

داڑھی والی دلہن

تصنیف: حضرت علامہ عبدالستار ہمدانی (انڈیا)

محشی: مولانا ابومعاویہ قادری رضوی حشمتی

ادارہ: تحفظِ عقائدِ اہلسنت (پاکستان)

داڑھی والی دلہن

(اکابرین دیوبند کے شرمناک عشق کی دلچسپ داستان)

-: مصنف :-

علامہ عبدالستار ہمدانی ''مصروفؔ'' (برکاتی، نوری)

-: محشی :-

مولانا ابومعاویہ رضوی حشمتی

-: ادارہ :-

تحفظِ عقائدِ اہلسنّت (پاکستان)

نام کتاب : داڑھی والی دلہن

مصنف : علامہ عبدالستار رضوی

محشی : مولانا ابومعاویہ رضوی حشمتی

سلسلۂ اشاعت : سوم (۳)

تاریخ اشاعت : جنوری ۲۰۱۳

طبع : اوّل

صفحات : ۴۸

تعداد : ۱۰۰۰

قیمت : ۴۰

ناشر : تحفظ عقائد اہلسنت

فہرست مضامین

ضروری گزارشات

قارئین کرام: اس کتاب کی اشاعت سے گلابیہ وہابیہ (دیانہ) کو آئینہ دکھانا مقصود ہے کیونکہ دیوبندیوں نے تعصب وعناد کی پٹی لگا کر علمائے اہلسنت کثرھم اللہ پر عموماً اور سیدی امام اہلسنت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمہ اللہ پر خصوصاً، واہیات قسم کی تحریرات شائع کر کے عوام الناس کو دھوکا دینے کی بھرپور کوشش کی ہے۔ جیسا کہ اسی فرقۂ دیوبندیہ کے نام نہاد محقق مولوی خالد محمود مانچسٹروی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''رامپور کے نواب کلب علی خان صاحب شیعہ حلقوں میں بہت معروف ہیں علمی اور ادبی ذوق رکھتے تھے، نوجوانوں سے ملنے کا انھیں بہت شوق تھا، ''المیزان'' میں ہے:

انھیں ایک ایسے طالب علم سے ملنے کا اشتیاق ہوا جس نے چودہ سال کی عمر میں درسیات سے فراغت حاصل کرلی ہو، جب (مولانا احمد رضا خاں) نواب صاحب کے پاس پہنچے تو انھوں نے خاص پلنگ پر بٹھایا اور بہت لطف ومحبت سے باتیں کرتے رہے''

ہاں نواب صاحب انھیں اپنے پلنگ خاص پر کیوں لے گئے، اس پر مرزا غالب کی یہ سند کافی رہے گی۔

میں نے کہا کہ بزم ناز چاہیے غیر سے تہی
سن کے ستم ظریف نے مجھ کو اٹھا دیا کہ یوں

(مطالعہ بریلویت، ج ۲، ص ۱۸۶)

استاد اگر اپنے قابل شاگرد یا طالب علم کو اپنی مسند خاص پر بٹھانے کا اعزاز دے تو ان دیو کے بندوں کے نزدیک وہ کچھ اور ہی کہلاتا ہے۔ جس کا اندازہ مذکورہ عبارت سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جب اس فرقہ کے نام میں ''دیو'' شامل ہے تو اس کی سوچ کس طرح مثبت ہوسکتی ہے حالانکہ ان کی اپنی حالت یہ ہے کہ ان کے اکابر بھری محفل میں چارپائی پر لیٹ کر اپنے مخصوص ذوق کی تسکین کرتے رہے، جس کی تفصیل اگلے صفحات میں ملاحظہ فرمائیں اس لئے المرء یقیس علی نفسہ کے مصداق انہیں اعلیٰ حضرت رحمہ اللہ کی عزت افزائی کے متعلق پڑھ کر اپنے اکابرین کی شرمناک حرکات یاد آگئیں جس کی وجہ سے انہوں نے سیدی امام اہلسنت رحمہ اللہ کو اپنے اکابرین پر قیاس کرلیا سیدی امام اہلسنت رحمہ اللہ پر بکواس کرنے والے دیوبندیوں پر یہ مثال

صادق آتی ہے نبح الکلاب لا یضر بالسحاب یعنی کتوں کا بھونکنا بادل کو ضرر نہیں دیتا کیونکہ اس طرح کی حرکات سے تو سیدی امام اہلسنت رحمہ اللہ کا تو کچھ نہیں بگڑا البتہ اکابرین دیوبند کا بگڑا ہو کردار منظر عام پر آگیا۔ خیر یہ تو وہابیہ گلابیہ کے بڑے حضرت کی بڑی بکواس تھی اب آیئے آپ کو ان کے چھوٹے حضرت کی بد کلامی کا ایک چھوٹا سا نمونہ دکھاتے ہیں چنانچہ مولوی ساجد خان صاحب لکھتے ہیں کہ: ''جی اگر کوئی احمد رضا خان صاحب کو رضیہ خانم کہہ دے تو آپ کو ناراض نہیں ہونا چاہیے'' (روئیداد مناظرہ کوہاٹ، ص ۵۵)

قارئین کرام: عید میلاد النبی ﷺ کے موضوع پر ہونے والے مناظرہ ''مناظرہ کوہاٹ'' میں سنی عالم نے اپنی دلیل میں مولوی رشید احمد گنگوہی کا حوالہ دیتے ہوئے سبقتِ لسانی کے سبب رشید احمد گنگوہی کو عبدالرشید گنگوہی کہا تو مولوی ساجد صاحب کو یہ نام کتنا برا لگا اس کا اندازہ مذکورہ عبارت سے لگایا جاسکتا ہے مگر یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ''عبدالرشید گنگوہی'' نام میں ایسی کونسی قباحت تھی جس کے سبب مولوی موصوف کو یہ بدتمیزی کرنی پڑی۔۔۔؟؟؟

ہم عرض کرتے ہیں آپ شکایت ضرور کریں

ممکن ہے کہ مولوی ساجد خان کو یہ نام اس لئے اچھا نہ لگا ہو کہ ''رشید'' اللہ تبارک وتعالیٰ کے صفاتی ناموں میں سے ایک نام ہے اور یہ ٹھہرے دیو کے بندے لہٰذا اگر کوئی انہیں اللہ کا بندہ کہہ دے تو ناراض ہونا ان دیو کے بندوں کا حق ہے یا پھر یہ بھی ممکن ہے کہ ''اعظم بستی'' (مولوی ساجد خان صاحب کراچی کے علاقے اعظم بستی کے رہائشی ہیں) میں عبدالرشید نام کا کوئی معروف ''ملعون'' رہتا ہو اور ساجد خان اس وجہ سے ناراض ہوگئے ہوں

انہی کے مطلب کی کہہ رہا ہوں زبان میری ہے بات ان کی
انہی کی محفل اجاڑ رہا ہوں ہاتھ میرے ہیں لات ان کی

قارئین کرام: ہم چاہیں تو مذکورہ دونوں عبارتوں کا جواب بہت سخت زبان میں دے سکتے ہیں اور کتاب ھذا میں بیان کردہ قصہ گنگوہی وتانوتویہ کو چھوڑ کر بہت سے ''رنگیلے قصے'' اکابرین دیوبند کے بیان کرسکتے ہیں مگر ہمارا اختلاف ذاتیات پر نہیں بلکہ اصل اختلاف کفریہ عبارات پر ہے اسی وجہ سے ہم نے تھانوی صاحب ودیگر کی وہ کہانیاں بیان نہیں کیں۔ اور اگر گلابیہ وہابیہ اپنی بدکلامی سے باز نہیں آئے تو ہمیں مجبوراً وہ سب کچھ بیان کرنا پڑیگا جو اکابرین دیوبند کا کیا دھرا ہے اور ہم ایسا کرنے میں حق بجانب ہونگے۔

"مقدمہ"

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ

اردو زبان کی مشہور کہاوت ہے کہ "خدا جب دین لیتا ہے تو عقلیں بھی چھین لیتا ہے"۔ یہ کہاوت وہابی، دیوبندی، اور تبلیغی جماعت کے اکابر ملا، پیشوا، مصنف، مؤلف، ناشر اور متبع پر کامل طور پر چسپاں ہوتی ہے۔ اللہ تبارک وتعالی کے محبوب اعظم واکرم صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کی شان ارفع واعلی میں توہین اور گستاخی کرنے کے جرم میں بحکم قرآن مجید: "قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ إِيْمَانِكُمْ" ترجمہ: "تم کافر ہو چکے، مسلمان ہو کر" (پارہ نمبر ۱۰، سورہ التوبہ، آیت نمبر: ٦٥) (کنز الایمان) کے مطابق وہ دائرۂ اسلام سے خارج ہو کر کافر ومرتد ہو چکے۔ حضور اقدس رحمت عالم ﷺ کی شان میں گستاخی اور بے ادبی کرنے کے نتیجہ میں ان کا دین (ایمان) چھین لینے میں آیا اور ساتھ میں ان کی عقل بھی سلب کر لی گئی۔ جس کا ثبوت وہابی دیوبندی مکتبہ فکر کی کثیر التعداد کتب مثلاً ○ الافاضات الیومیہ یعنی تھانوی صاحب کے ملفوظات کا مجموعہ ○ حکایات اولیا پرانا نام "ارواح ثلثہ" ○ تذکرۃ الرشید ○ تذکرۃ الخلیل ○ مزید المجید ○ حسن العزیز ○ اشرف السوانح ○ خاتمۃ السوانح ○ فیوض الخالق ○ وغیرہ کتب میں موجود ہے۔ مذکورہ کتب میں خود انہوں نے اپنی اور اپنے پیشواؤں کی ایسی حکایات، ارتکاب، اقوال اور افعال کا تذکرہ کیا ہے کہ جس کے مطالعہ سے ہر مہذب اور خلیق شخص کا سر شرم کے مارے جھک جائیگا اور اسے عار وحیاء محسوس ہوگی۔ لیکن عقل کے دشمن احمق، بیوقوف، نادان، مورکھ اور حواس باختہ اپنے فحش ارتکاب، بے شرمی پر مشتمل اقوال، بے حیائی سے معمور افعال کو بطور دانش مندی، فہم وفراست، فن وحکمت، ذہانت وہوشیاری، تہذیب واخلاق اور کرامت میں شمار کر کے ان کی عظمت ورفعت اور اہمیت کے اظہار کے لیئے اپنی کتابوں میں چھاپتے آئے ہیں اور ابھی تک مسلسل چھاپ رہے ہیں۔

انبیاء کرام اور اولیاء عظام کی عظمت ومحبت کے اظہار کے جائز ومستحب اسلامی کام ومراسم جو

صدیوں سے قوم مسلم میں رائج وشروع ہیں، ان کے جواز واستحباب کیلئے قرآن وحدیث کی دلیل طلب کرنے والے دور حاضر کے منافقین اپنے بے حیائی اور بے شرمی کے افعال وارتکاب کو جائز اور مناسب ثابت کرنے کیلئے قرآن کی آیات کے ایسے مطلب اور مفہوم بیان کرتے ہیں اور اپنا من چاہا منشاء ومراد حاصل کرنے کیلئے ایسی بے تکی اور مضحکہ خیز تاویل وتشریح کرتے ہیں کہ عام آدمی بھی یقین کے ساتھ یہی رائے قائم کر سکتا ہے کہ وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے ملاؤں اور متبعین کی عقل کے طوطے اڑ گئے ہیں۔

حدیث شریف ہے کہ حضور اقدس ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ "اِذَا لَمْ تَسْتَحِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ" (۱) (بخاری) یعنی "جب تو شرم محسوس نہیں کرتا، تو پھر جو چاہے وہ کر"۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص شرم کو بالائے طاق رکھ کر بے حیا اور بے شرم بن جاتا ہے تب اسے بے شرمی کے کسی بھی ارتکاب میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی۔ وہ کامل طور پر بے حیائی اور بے شرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے علی الاعلان فحش اور لچر کام کر ڈالتا ہے۔ حدیث شریف کے مذکورہ ارشاد کے مطابق وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے پیشواؤں نے بھی شرم وحیا کو خیر باد اور الوداع کہتے ہوئے فحشیات کا ایسا مظاہرہ کیا ہے کہ پوری ملت اسلامیہ نے شرم ساری، ندامت اور خجلت کا جھٹکا محسوس کیا ہے۔ حیرت اور تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ایسے فحش ارتکاب کرنے والے اپنے آپ کو مذہبی پیشوا اور رہنما کہتے تھے۔ جن کے معتقدین ومتبعین کا وسیع حلقہ تھا اور اب بھی ہے۔ علاوہ ازیں ان کے متبعین اور عقیدتمند ان کی تعریف وتوصیف میں حد درجہ غلو کرتے ہوئے انہیں عظیم الشان عالم دین، امام، پیشوا، رہبر، مفتی، محدث، محقق، مجدد، حکیم الامت وغیرہ القاب سے یاد کرتے ہیں، اور خود کو ان کا متبع (۲) کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔

علمائے دیوبند کے حالات زندگی پر مشتمل ان کی سوانح حیات، تذکرۂ زندگی، کرامات اور دیگر عنوانات پر شائع شدہ کتب کے مطالعہ سے یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ وہ اپنی محافل میں فحشیات، لغویات، لچر گفتگو بے دھڑک اور دلیری سے کرتے تھے اور کبھی کبھی ایسے افعال کا بھی ان سے ارتکاب ہو جاتا تھا۔ لیکن وہ

---

(۱) بخاری شریف، ج ۴، ص ۱۳۱، رقم الحدیث: ٦١٢٠، دار الکتب العلمیہ بیروت (ابو معاویہ)

(۲) شاید اسلئے فخر محسوس کرتے ہیں کہ گنگوہی صاحب ہی کا فرمان ہے کہ "سن لو حق وہی ہے جو میری زبان سے نکلتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت ونجات موقوف ہے میری اتباع پر" (تذکرۃ الرشید، ج ۲، ص ۱۷، مطبوعہ ادارہ اسلامیات) ظاہر ہے دیوبندی اپنی اس نجات پر فخر ہی محسوس کرینگے۔ (ابو معاویہ)

اپنی ایسی بے حیائی اور بے شرم حرکات کو بغیر سوچے، سمجھے اور انجام سے بے خبر ہو کر قلمبند کرتے اور کرواتے تھے اور پھر اسے مذہبی رنگ دے کر مذہبی کتب میں شائع کرتے اور کرواتے تھے۔

اپنے پیشواؤں کی بے حیائی اور بے شرمی کی نفرت آور حرکات پر عار اور خجلت محسوس کرنے کے بجائے ان فحش حکایات کو اپنے پیشواؤں کی عظمت کے طور پر شائع کر کے دیو بندی مکتبہ فکر کے ناشرین اپنی حماقت، نادانی، پھوہڑ پن اور ناشائستگی کا مظاہرہ کر کے "بے وقوف کے سر پر کیا سینگ ہوتے ہیں؟" والی مثل کے مصداق بنتے ہیں اور اس پر طرہ یہ کہ ایسی بے حیائی اور بے شرمی پر مشتمل فحش، لغو اور لچر گفتگو اور ارتکاب کو غیر مہذب اور غیر اسلامی کہنے والے انصاف پسند عقلمندوں کی دور حاضر کے جاہل بلکہ اجہل وہابی متبعین تحفظ و سے مخالفت کر کے "چوری اور سینہ زوری" والی مثل کو صادق کرتے ہیں۔ بلکہ بعض اوقات تو "قوت زر" (Money Power) اور "قوت بازو" (Muscle Power) کے سبب ادبی دنیا میں بھی دہشت گردی (Terrorism) کی حرکت قبیحہ کرتے ہیں۔

غیر جانب دارانہ اور منصفانہ تجزیہ کر کے اور اخلاق و تہذیب کے اعلیٰ اصولوں کو اپناتے ہوئے ایسی فحش اور پھوہڑ حکایات کو کوڑے دان (Dustbin) میں ڈال دینا زیادہ مناسب بلکہ ضروری تھا، مگر ایسی حکایات کو مذہبی رنگ دے کر مذہبی کتابوں میں مقام دیا گیا۔ ہائے ہٹ دھرمی!! ہائے اندھی عقیدت کی بے وقوفی!!! اپنے پیشواؤں کے غیر مہذب ارتکابات پر شرم اور خجلت کا احساس کرنے کے بجائے ضد، ہٹ، اڑ، بے حیائی، بے شرمی، بے وقوفی، بیچ پن، کمینہ پن، سفلہ پن، رزیلہ پن، کمینگی، سینہ زوری اور انانیت کی راہ اختیار کی جاتی ہے۔ ایسی فحش عبارت پر تنقید و تبصرہ کر کے اس کی تردید کرنے والے مہذب اور اہل علم حضرات کے خلاف وہابی دیو بندی اور تبلیغی جماعت کے متبعین یہ شور اور غوغا مچاتے ہیں کہ ہمارے پیشواؤں کی مذہبی اہمیت گھٹانے کے لیے سنی بریلوی واعظین اپنی تقریروں میں فحش حکایات اسلامی مجالس میں بیان کرتے ہیں۔

ایسے بے خرد اور ہٹ دھرم جاہلوں کو جواب دیتے ہوئے ہماری مؤدبانہ عرض یہ ہے کہ... جناب !!

- ☆ آپ کے پیشواؤں نے ایسی فحش بات سوچی کیوں؟
- ☆ اور اگر سوچی، تو پھر کہی کیوں؟
- ☆ اگر کہہ دی، تو پھر اسے لکھی کیوں؟

- ☆ اور اگر انہوں نے لکھی، تو آپ نے چھاپی کیوں؟
- ☆ اور اگر چھاپ ہی دیا، تو پھر کتاب کو فروخت کیا کیوں؟
- ☆ آپ کی فروخت کردہ کتاب کو ہم نے پڑھ کر سنایا تو برا لگا کیوں؟
- ☆ اگر چھپانا تھا، تو چھاپا کیوں؟
- ☆ جب چھاپ ہی دیا ہے، تو اب چھپاؤ گے کیوں؟

مذکورہ بالا سوالات دائمی طور پر لاجواب ہی رہیں گے۔ کیوں کہ اپنے پیشواؤں کے فحش ارتکاب پر خجلت محسوس کر کے لجانے کے بجائے اکڑنا دور حاضر کے منافقین کی ایک "خاص ادا" ہے، اپنی غلطی کا ارتکاب کر کے اور اپنی خطا پر توجہ ملتفت کر کے غور و فکر کر کے اصلاح کر کے ایسے ارتکاب سے اجتناب اور پرہیز کرنے کے بجائے دوسروں کو مجرم و قصوروار ثابت کرنے کے لیے ہوا مٹھی میں بند کرنے کی کوشش کرنا مزید ذلت و رسوائی کا باعث و سبب ہے۔ اس حقیقت سے ناواقفیت و لاعلمی کی وجہ سے دور حاضر کے منافقین اپنے پیشواؤں کے دفاع میں ضرورت سے زیادہ جذباتی ہو کر قوم مسلم کے امن بھرے ماحول کو پراگندہ کرنے کے لیے فتنہ و فساد کی آندھی پھونکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

قارئین کرام کے ہاتھوں میں اس وقت "داڑھی والی دلہن" کتاب ہے۔ اس کتاب میں وہابی، دیو بندی اور تبلیغی جماعت کے دو پیشوا (۱) مولوی قاسم نانوتوی (۲) مولوی رشید احمد گنگوہی کے ایام طفولیت کے ریشمی اور ملائم تعلقات جو ان کی جوانی بلکہ بڑھاپے تک حسب سابق ویسے ہی نرم و نازک رہے بلکہ ان تعلقات کی نزاکت میں ایک نرالی لچک اور لطافت پیدا ہو گئی تھی، ان ریشمی تعلقات کے ضمن میں صرف دو حکایات ہی کا تذکرہ اور تبصرہ کیا گیا ہے۔ ایسی فحش اور قابل شرم و نفریں حکایات و اقوال کثیر تعداد میں دیو بندی مکتبہ فکر کے لٹریچر (Literature) میں دستیاب ہیں جس کا تفصیلی تبصرہ راقم الحروف کی کتاب "سیکسی ملا" (Sexy Mulla) میں ملاحظہ فرمائیں۔ ان تمام فحش حکایات و حادثات کے مطالعہ کے بعد قارئین کرام یقین کے درجہ میں یہ نتیجہ اخذ فرمائیں گے کہ جو لوگ انبیائے کرام اور اولیائے عظام کی بارگاہ میں توہین و گستاخی کرتے ہیں، ان سے اپنی ذاتی زندگی اور نجی معاملات میں ایسے اقوال و افعال کا صدور ہوتا ہے کہ وہ خود اپنے ہی ہاتھوں اپنی عزت و آبرو کے لباس کو چاک کر کے مادر زاد عریاں کی صورت میں دکھائی دیتے ہیں۔

یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی ان گستاخوں پر لعنت و پھٹکار ہے کہ ایسی رسوائے زمانہ اور قابل شرم وعار باتیں وہ اپنی کتابوں میں شائع بھی کرتے ہیں۔

قارئین کرام سے مؤدبانہ التماس ہے کہ "داڑھی والی دلہن" کا ایک دو مرتبہ نہیں بلکہ متعدد مرتبہ معائنہ (مطالعہ) فرمائیں اور پھر تنہائی میں بیٹھ کر اس پر غور وفکر کریں گے، تو آفتاب نیم روز کی طرح یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ "**جس کا عقیدہ گندہ ہوتا ہے اس کا کردار بھی گندہ ہوتا ہے**"

عاشق رسول، اعلیٰ حضرت، عظیم البرکت، امام اہل سنت، مجدد دین وملت امام احمد رضا محقق بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کے خلاف بے اصل وثبات اور بے بنیاد الزامات واتہامات سے لبریز، پھوہڑ اور پھٹ پاتھ چھاپ کتاب "**مطالعۂ بریلویت**" کے وہابی ملا اور نقاد پروفیسر خالد محمود مانچسٹروی کو اینٹ کا جواب پتھر سے دیتے ہوئے مذکورہ بالا کتاب کے جواب اور تردید میں جاری سلسلہ کی یہ دوسری کڑی ہے۔ پہلی کڑی کے طور پر "**تھانوی کی علمی صلاحیت**" کے اردو، گجراتی اور ہندی ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں اور عوام وخواص میں کافی مقبولیت حاصل کر چکے ہیں۔ دوسری کڑی کے روپ میں "**داڑھی والی دلہن**" اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

داڑھی والی دیوبندی دلہن

شاید ہی کوئی ایسا شخص ہوگا کہ جس نے دلہن دیکھی ہو۔ شادی شدہ کیلئے تو نہ دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن غیر شادی شدہ نے بھی الگ الگ رشتہ سے دلہن کو ضرور دیکھا ہوگا۔ کسی نے اپنی بہن کو، کسی نے بھاوج کو، کسی نے اپنی پھوپھی یا خالہ یا چاچی کو دلہن بن کر ڈولی میں بیٹھ کر اپنے آبائی مکان سے رخصت ہوتے دیکھا ہی ہوگا۔ ہر عورت دلہن بننے کا سنہرا خواب دیکھتی ہے اور جب اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اس کے ہاتھ پیلے کرنے کا موقعہ میسر آتا ہے، تب اس کی اور اس کے گھر والوں کی خوشیاں مچل اٹھتی ہیں۔

ہر دلہن اپنے پیا سے پہلی ملاقات کے وقت اپنے آپ کو حسین سے حسین تر بنانے کی کوشش میں کوئی کسر باقی نہیں رکھتی۔ ہاتھ میں مہندی، سرخ جوڑا، سر پر چندری، ناک میں نتھنی، کان میں جھومر یا بالیاں، ہاتھ میں سونے کے کنگن، گلے میں سونے کا ہار، علاوہ ازیں مختلف زیورات سے آراستہ ہو کر بناؤ سنگھار کے تمام اسباب کا فراخ دلی سے استعمال کر کے ملکہ، حسن وجمال بن جاتی ہے۔ اس کا واحد مقصد یہی ہوتا ہے کہ میں پیکر حسن بلکہ مثل جنت کی حور بن کر اپنے رفیق حیات سے پہلی ملاقات کروں۔ دلہن کا لفظ سن کر ہی ہر شخص کے ذہن میں ایسی عورت کا تصور آتا ہے، جو آرائش، زیبائش، زیب وزینت، سجاوٹ، بناؤ سنگھار، شوبھا، خوشنمائی، آراستگی، خوبصورتی، موزونیت، تناسب، درخشانی، تابانی، چمک، دمک، مہک، نکہت، لطافت، نفاست اور نزاکت کا جاذب النظر پیکر جمیل ہو۔

لیکن!!!

کیا؟؟ آپ نے کبھی ایسی دلہن دیکھی ہے؟؟ یا کبھی ایسی دلہن کا خاکہ آپ کے تصور میں ابھرا ہے؟ جو بناؤ سنگار کے تمام رسم ورواج اور طور طریقے کی کامل ادائیگی کے ساتھ ساتھ مردانہ شان کا بھی مظاہرہ کرتی ہو۔ یعنی اس کے نازک اور ملائم رخساروں پر داڑھی بھی ہو۔ نہیں نہیں!! دلہن کا ایسا تصور یا ایسی تصویر ممکن ہی نہیں؛ روئے زمین پر ایسی عورت دستیاب نہیں ہو سکتی جو بارہ ابھرن سولہ سنگھار سجائے ہوئے ہو اور ساتھ میں چہرے پر مردوں جیسی بلکہ مولانا جیسی لمبی لمبی داڑھی بھی ہو۔ صبر کرو، اطمینان سے کام لو، اتنے جلد مشتعل نہ بن جاؤ۔ ہم آپ کو دکھا ہی دیتے ہیں۔ علمائے دیوبند کے اکابر کی سوانح حیات پر مشتمل کتابوں میں ایسی دلہن کا تذکرہ موجود ہے۔ لیجئے! آپ خود ہی اپنے ماتھے کی آنکھوں سے پڑھ لیجئے!!!

داڑھی والی دیوبندی دلہن:

وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے پیشوا اور جن کو تبلیغی جماعت کے متبعین ''مجدد'' اور ''امام ربانی'' کے لقب سے ملقب کرتے ہیں، وہ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب کی حالات زندگی قلمبند کرنے والے دیوبندی مکتبۂ فکر کے نامور مؤرخ مولوی عاشق الٰہی میرٹھی صاحب (۳) لکھتے ہیں کہ:

''ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا ہے۔ سو جس طرح زن و شوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے۔ انھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت نے سفارش کر کے انھیں مرید کرادیا۔ حکیم محمد صدیق صاحب کاندھلوی نے کہا ''الرجال قوامون علی النساء''۔ آپ نے فرمایا: ہاں، آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں''

(۱) تذکرۃ الرشید'' (پرانا ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ، محلۂ مفتی، سہارن پور (یو-پی) جلد: (۲)، ص: (۲۸۹)

(۲) تذکرۃ الرشید'' (نیا ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سن اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد: (۲)، ص: (۳۰۶۲)

مندرجہ بالا عبارت پر کوئی تبصرہ کرنے سے پہلے ایک مزید حوالہ پیش خدمت ہے

'' آپ ایک مرتبہ خواب بیان فرمانے لگے کہ مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح ان کے ساتھ ہوا۔ پھر خود ہی تعبیر فرمائی کہ آخر ان کے بچوں کی کفالت کرتا ہی ہوں''

(۱) ''تذکرۃ الرشید'' (قدیم ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ، محلۂ مفتی، سہارن پور (یو-پی) جلد: (۱)، ص: (۲۳۵)

---

(۳) مولوی عاشق الٰہی میرٹھی مشہور و معروف دیوبندی عالم ہیں اور کئی کتب کے مصنف ہیں جن میں تذکرۃ الرشید، تذکرۃ الخلیل اور ترجمہ امداد السلوک زیادہ مشہور ہیں لیکن مولوی سرفراز خان گکھڑوی دیوبندی کے بیٹے مولوی عبد القدوس قارن نے میرٹھی صاحب کو انگریز کا وفادار لکھا ہے۔ چنانچہ قارن صاحب لکھتے ہیں کہ ''(یہ) برطانیہ کے وفادار خیر خواہ تھے'' (ایضاح سنت، ج اول، ص ۱۱۱، ناشر: عمر اکادمی نزد گھنٹہ گھر گوجرانوالہ) ''الفضل ما شهدت به الاعداء'' لیکن حقیقت یہ ہے کہ دیوبندی فرقہ کی پیدائش انگریز کی سازش اور ایماء پر ہوئی۔ (ابو معاویہ)

(۲) ''تذکرۃ الرشید'' (جدید ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دار الکتاب، دیوبند، سن اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد: (۱)، ص: (۳۴۴)

سب سے پہلے ''تذکرۃ الرشید'' جلد (۲)، ص: (۲۸۹) والی پہلی عبارت میں مذکورہ قرآن مجید کی آیت کریمہ ''الرجال قوامون علی النساء'' کے تعلق سے بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کر لیں۔ یہ آیت کریمہ قرآن مجید کے پارہ (۵)، سورۂ نساء کی آیت نمبر (۳۴) ہے۔ اس آیت کریمہ کا ترجمہ:- مرد افسر ہیں عورتوں پر'' (کنز الایمان)۔ اس آیت کے تعلق سے صرف اتنی ہی معلومات ذہن میں محفوظ رکھیں۔ ان شاء اللہ تذکرۃ الرشید کی مندرجہ بالا دونوں عبارات پر کئے جانے والے تبصرہ کے ضمن میں انکشاف کیا جائے گا کہ دیوبندی مکتبۂ فکر کے مقتداء و پیشواء نے اپنے مذموم اور قابل نفریں گندے خواب کی موزونیت ثابت کرنے کیلئے کیسی فاسد ذہنیت کا مظاہرہ کیا ہے اور مرد سے مرد کے نکاح کا رشتہ نامناسب ثابت کرنے کیلئے قرآن مجید کی مقدس آیت کو کھینچ تان کر چسپاں کرنے کی کیسی قبیح حرکت کی ہے۔

خواب کا پس منظر ماہرین نفسیات کی تحقیقات کی روشنی میں:

ہر آدمی خواب دیکھتا ہے۔ کبھی اچھا اور نیک خواب تو کبھی ڈراؤنا اور بھیانک خواب۔ جوان آدمی شہوات نفسانی اور جنسی خواہشات پر مشتمل خواب جوانی کے ایام میں اکثر و بیشتر دیکھا کرتا ہے۔ اسی خواب کی وجہ سے اُسے احتلام بھی ہو جاتا ہے اور اس پر غسل کرنا لازمی ہو جاتا ہے۔ لیکن قارئین کرام للہ انصاف سے بتائیں کہ کیا کبھی بھی کوئی شخص جو شہوانی (Lasciviousness) خواب دیکھتا ہے، وہ عوام میں اپنے ایسے خواب کا ڈھنڈورا پیٹتا ہے؟ کیا کوئی بھی شریف آدمی اپنے گندے خواب کی تشہیر کرتا ہے؟ نہیں، وہ اپنے خواب کو حتی الامکان چھپانے اور پوشیدہ رکھنے کی کوشش کرتا ہے اور صرف اتنا کہہ کر بات ٹال دیتا ہے کہ نیند میں غسل کی حاجت ہوگئی۔

ایک حقیقت کی طرف بھی توجہ ملتفت کرانا ضروری ہے کہ ماہر نفسیات (Psychologist) کی تحقیقات (Investigation) کے مطابق آدمی جس کے متعلق سے دن بھر سوچتا رہتا ہے، اس کے تعلق سے رات کو نیند میں خواب دیکھتا ہے۔ اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی پر فریفتہ ہوگیا ہے اور ہر وقت اس کی محبت کا دم بھرتا ہے اور ہر پل اسی کی یاد میں کھویا رہتا ہے۔ تو رات کو نیند میں بھی اپنی محبوبہ کے خواب دیکھتا ہے اور خواب میں وہ اپنی

معشوق کے ساتھ کیا کیا اور کیسی کیسی حرکتیں کرتا ہے۔ دن بھر اس کے دماغ میں گھومنے والے خیالات مجتمع ہو کر بشکل خواب رونما ہوتے ہیں۔ (۴) کسی لڑکے کا کسی لڑکی پر فریفتہ ہونا یہ تو فطری بات ہے لیکن کسی مرد کا کسی مرد کی طرف رجحان اور میلان (Inclination) ہونا سراسر غیر فطری بات ہے۔ لڑکے اور لڑکی کی تو شادی ممکن ہے لیکن لڑکے کی کسی لڑکے کے ساتھ شادی ناممکن ہے۔ دنیا کا کوئی بھی مذہب اور سماج ایسے غیر فطری تعلقات کو روا نہیں رکھتا۔

لواطت کے فعل بد کی ابتداء اور اس کا پس منظر:

ایک مرد کو دوسرے مرد کی طرف رغبت ہو اور وہ آپس میں اپنی نفسانی خواہش کو پورا کریں، ایسے لوگ بھی دنیا میں پائے جاتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو لوطی کہتے ہیں اور ان کی یہ قبیح حرکت لواطت (Sodomy) کہی جاتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس فعل قبیح کی ابتداء حضرت لوط علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے کی ہے۔ حضرت لوط علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے پہلے دنیا میں لواطت (Homosexuality) کس بلا کا نام ہے، وہ کوئی نہیں جانتا تھا۔ عراق کے شہر "سدوم" میں آباد قوم لوط کو شیطان نے یہ فعل سکھایا۔ اس فعل قبیح کی قرآن وحدیث میں سخت مذمت فرمائی گئی ہے۔ جس کا تفصیلی بیان یہاں ممکن نہیں۔ صرف ایک آیت کریمہ پیش خدمت ہے:-

آیت: وَلُوْطًا اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖٓ اَتَاْتُوْنَ الْفَاحِشَةَ مَا سَبَقَكُمْ بِهَا مِنْ اَحَدٍ مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ○ اِنَّكُمْ لَتَاْتُوْنَ الرِّجَالَ شَهْوَةً مِّنْ دُوْنِ النِّسَآءِ ط بَلْ اَنْتُمْ قَوْمٌ مُّسْرِفُوْنَ"

(پارہ ۸، سورۃ الاعراف، آیت ۸۰ اور ۸۱)

---

(4)Many therapists believe that dreams are extensions of walking life (Kramer, 2006b:Pesant & Zadra,2006) The theory that dreams are extensions of walking life means that our dreams reflect the same thoughts, tears,concerns, problems and emotions that we have whom awake.(Introduction to Psychology 9th Edition,Rod Plotink & Haig Kouyoumdjian)

Some dreams are bizarre,most are commonplace and similar to what we think about in everyday life (Domhoff, 1996: Hall & Van de Castle,1966) (Introduction to Psychology 9th Edition,James W Kalat)

ترجمہ: "اور لوط کو بھیجا، جب اس نے اپنی قوم سے کہا کہ کیا وہ بے حیائی کرتے ہو، جو تم سے پہلے جہان میں کسی نے نہ کی ⊙ تم تو مردوں کے پاس شہوت سے جاتے ہو عورتیں چھوڑ کر، بلکہ تم لوگ حد سے گزر گئے"

(کنزالایمان)

الختصر لواطت کے فعل قبیح کی ابتداء شیطان کے سکھانے سے قوم لوط نے کی۔ اس کی وجہ کیا تھی؟ وہ ذیل میں قرآن مجید کی تفسیر سے درج ہے:-

شہر سدوم نہایت ہی سرسبز و آباد تھا۔ وہاں طرح طرح کے اناج، پھل اور میوے بکثرت پیدا ہوتے تھے۔ نیز وہاں کی آب و ہوا بھی فرحت بخش تھی۔ شہر سدوم کی خوشحالی اور زرخیزی کی وجہ سے قرب و جوار کے لوگ وہاں سیر و تفریح کے لیے گاہے گاہے آیا کرتے تھے اور اپنے پہچان کے لوگوں یا رشتہ داروں کے یہاں مہمان بن کر ٹھہرتے تھے۔ ہر گھر میں روزانہ کوئی نہ کوئی مہمان ضرور ہوتا تھا۔ شہر کے لوگوں کو بحیثیت میزبان مہمانوں کی خاطر تواضع اور مہمان نوازی کا بوجھ اٹھانا پڑتا تھا اور مہمانوں کی خدمت میں ان کا کافی مال اور وقت صرف ہوتا تھا۔ روز بروز مہمانوں کی آمد اور انکی مہمان نوازی سے لوگ کبیدہ خاطر اور تنگ ہو چکے تھے لیکن مہمانوں کی بکثرت آمد کا غیر منقطع سلسلہ جاری تھا۔ لیکن اخلاقی طور و اطوار اور سماجی مراسم کا لحاظ کرتے ہوئے باول ناخواستہ بھی وہ مہمانوں کو "خوش آمدید" کہہ کر حتی الامکان اور حسب استطاعت ان کی خاطر داری کرتے تھے۔

ایک عرصۂ دراز تک مہمانوں کی خاطر داری کرتے کرتے شہر "سدوم" کے باشندے اکتا گئے تھے اور اب مہمانوں کو آنے سے روکنے کی کوئی تدبیر اور صورت تلاش کرتے تھے۔ ایسے ماحول میں شیخ نجدی یعنی ابلیس لعین شہر "سدوم" میں ایک بوڑھے شخص کی صورت میں نمودار ہوا اور مہمانوں سے تنگ آئے ہوئے میزبان لوگوں کو جمع کر کے ان کو مشورہ دیا کہ اگر واقعی تم مہمانوں کی آمد سے پریشان ہو اور اس پریشانی سے نجات حاصل کرنا چاہتے ہو تو بس تم کو ایک آسان تدبیر بتاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ جب کبھی تمہارے یہاں کوئی مہمان آکر ٹھہرے تو اس کے ساتھ زبردستی بدفعلی کرو۔ ایک مرتبہ تمہاری اس حرکت کا تجربہ کرنے والا پھر کبھی تمہارے یہاں آنے کی جرأت و ہمت نہیں کرے گا۔ اور رفتہ رفتہ یہ بات پھیل جائے گی کہ تمہاری بستی میں آنے والے مہمان کی جبرا "عصمت دری" ہوتی ہے۔ تو پھر لوگ تمہارے یہاں آتے ہوئے جھجک محسوس

کریں گے بلکہ اپنی مردانہ عصمت لٹ جانے کے خوف سے تمہاری بستی میں پاؤں تک نہیں رکھیں گے۔

چنانچہ ابلیس لعین سب سے پہلے خوبصورت لڑکے کی شکل میں مہمان بن کر شہر "سدوم" میں آیا اور بستی والوں سے خوب بدفعلی کرائی۔ خود مفعول بن کر بستی والوں کو لواطت کا فعل قبیح سکھایا اور رفتہ رفتہ بستی والے اس غیر فطری کام کے اس قدر عادی بن گئے کہ اپنی عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی شہوت پوری کرنے لگے۔"

حوالہ:

(۱) تفسیر روح البیان، جلد:۳، ص:۱۹۷ (۲) تفسیر خزائن العرفان، ص:۲۸۹

(۳) صاوی، جلد:۲، ص:۷۵ (۴) عجائب القرآن، ص:۱۲۷

لواطت کی عادت عموماً نوعمری میں ہوتی ہے:

لواطت کی عادت عموماً نوعمری کے زمانے میں پڑتی ہے۔ جس کا اطلاق عام طور پر ۱۳، سال سے ۲۰، سال کی عمر پر ہوتا ہے اور ایسے نوجوانوں کو Teens Ager کہا جاتا ہے۔ جب کوئی ٹین ایج (Teenage) لڑکا ملازمت یا حصول تعلیم کی غرض سے اپنے گھر اور وطن کو چھوڑ کر کسی شہر میں جاتا ہے اور وہاں کسی ہاسٹل (دارالاقامہ) میں ٹھہرتا ہے۔ نئے ماحول میں شروع میں گھبراتا ہے۔ گھر کی یاد آتی ہے۔ پڑھائی یا ملازمت چھوڑ کر واپس چلے جانے کا ارادہ کرتا ہے لیکن حالات کے پیش نظر مجبوراً اسے پڑھائی یا ملازمت کے لئے رُکنا پڑتا ہے۔ لہٰذا وہ نئے ماحول، نئی آبادی، نئے لوگ، نئے ساتھی اور نئے طریقہ کار سے مانوس ہونے کی کوشش میں حالات سے سمجھوتا کرتا ہے۔ آہستہ آہستہ اب کچھ دل لگنے لگتا ہے۔ ہم عمر ساتھی طلبہ اور ہم عمر ساتھی ملازم کے ساتھ جان پہچان ہوتی ہے اور کچھ ہم عمر ساتھیوں سے دوستی ہوتی ہے۔ پھر وہ دوستی پروان چڑھکر گہرے تعلق میں تبدیل ہوتی ہے اور پھر وہ تعلق محبت اور وارفتگی کے سنگار میں مزین ہوکر ایک روح اور دو قالب کی اعلیٰ منزل پر متمکن ہوتا ہے۔ ایک ساتھ رہنا، ایک ہی درجہ میں ایک ساتھ پڑھنا، ایک ساتھ کھانا، پینا، گھومنا، پھرنا، ایک ساتھ ہاسٹل میں رہنا، ایک دوسرے کے سکھ دکھ آپس میں بانٹنا، ایک دوسرے کے مخلص ہمدرد اور مونس ومددگار بن کر رہنا، وغیرہ تعلقات اتنے وسیع، گہرے، مضبوط، مستقل، قوی، پائیدار اور اٹوٹ بن جاتے ہیں کہ اب اسے گھر کی یاد نہیں آتی، اب گھر جانے کو جی نہیں چاہتا، بلکہ اگر تعطیلات (Vacation) میں گھر جاتا بھی ہے، تو چھٹیوں کے دن بڑی مشکل سے کٹتے ہیں اور ہر لمحہ اپنے

رفیق خاص کی یاد ستاتی رہتی ہے۔ یہ وہ جذبہ ہے جو رفتہ رفتہ ایک آن جان اور اَن بجھ محبت کا روپ دھارن کرتا ہے۔ رات دن ایک ساتھ رہتے رہتے بے تکلفی، بے حجابی، بے شرمی، بے شعوری، بے ضابطگی، پر مشتمل طور و اطوار اور حرکات اب معمولی امر کی طرح معلوم ہوتے ہیں۔ ایک دوسرے سے مذاق، خوش طبعی، چھیڑ چھاڑ، ہنسی، ٹھٹھا، مسخری، وغیرہ بھی عام ہوتے جاتے ہیں۔ کبھی چھوٹی چھوٹی بات پر بحث یا جھگڑا بھی ہوتا ہے۔ چند لمحات کیلئے عارضی طور پر قطع تعلق بھی ہوتا ہے۔ پھر فوراً صلح یعنی روٹھنا، منانا بھی ہوتا ہے۔ ایک دوسرے کو چھیڑنا، چھونا، بوس وکنار میں بھی کوئی حرج محسوس نہیں ہوتا۔

نوعمری کا عالم۔ جوانی کا جوش، ایک دوسرے سے بے پناہ محبت، رات کی تنہائی، قریب قریب لیٹنا، پاس پاس سونا اور پھر ابلیس لعین کا دخل اور بہکانا ایسے عالم میں نوعمر (Teen Ager) کا پاؤں پھسلنا کوئی بعید بات نہیں۔ وہ غیر فطری ارتکاب میں ملوث ہوجاتا ہے اور پھر اس کا ایسا عادی ہوجاتا ہے کہ اردو زبان کے مشہور مقولہ "عادت فطرت ثانیہ ہے" یعنی "پختہ عادت یا طبیعت فطرت بن جاتی ہے۔" کا کامل مصداق بن جاتا ہے اور لواطت (Sodomy) کی قبیح لت کے دلدل میں ایسا پھنستا ہے کہ مرتے دم تک اس سے باہر نہیں نکل سکتا۔ (الا ماشاء اللہ)

گنگوہی اور نانوتوی صاحبان کے "خاص" تعلق کی ابتداء کب ہوئی:

اب ہم کتاب "تذکرۃ الرشید" کی پیش کردہ دونوں عبارات کہ جن میں گنگوہی صاحب کے خواب کا تذکرہ ہے کہ گنگوہی صاحب نے مولوی قاسم نانوتوی صاحب کو بصورت دلہن دیکھا اور گنگوہی صاحب کا نکاح نانوتوی صاحب سے ہوا۔ ان دونوں عبارات پر اختصاراً اور اشارۃً وکنایۃً تبصرہ کریں۔

⊙ مولوی رشید احمد گنگوہی کی پیدائش ۶، ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ کی ہے۔

⊙ مولوی قاسم نانوتوی کی پیدائش ۱۳، صفر المظفر ۱۲۴۸ھ کی ہے۔

(۱) تذکرۃ الرشید (جدید ایڈیشن) ناشر: دارالکتاب، دیوبند، جلد (۱)، ۳۱،

(۲) سوانح قاسمی، ناشر، دارالعلوم دیوبند، جلد (۱)، ص:۱۳۵

○ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی دونوں نے دہلی میں ایک ساتھ رہ کر دہلی میں واقع اجمیری دروازہ عربک ہائی اسکول کے مدرس اول مولوی مملوک العلی صاحب نانوتوی سے ⊙ میرزاہد

⊙ قاضی ⊙ صدرا ⊙ شمس بازغہ وغیرہ ابتدائی کتب پڑھی تھیں۔ مولوی مملوک العلی نانوتوی مدرسہ اسلامیہ۔ دیوبند کے مدرس اول مولوی یعقوب نانوتوی کے والد تھے۔

اب تاریخ کی روشنی میں دیکھیں کہ مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی قاسم نانوتوی حصول علم دین کے لئے دہلی کب گئے تھے؟ ایک حوالہ پیش خدمت ہے:-

حضرت مولانا رشید احمد صاحب کے مشہور استاد یہی استاد الکل حضرت مولانا مملوک العلی صاحب ہیں۔ جن کی خدمت میں ہر دو "شمس وقمر" کو ایک زمانہ میں مدت تک حاضر رہنے اور گلستان علم کے خوشہ چینی کا اتفاق رہا۔ حضرت مولانا قاسم العلوم تو ۱۲۶۰ ہجری ہی میں استاد الکل رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی آئے تھے مگر امام ربانی قدس سرہ کو ۱۲۶۱ ہجری میں دہلی پہنچنے کا اتفاق پیش آیا۔

(۱) "تذکرۃ الرشید" (قدیم ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ، محلہ مفتی، سہارنپور (یوپی)، جلد نمبر: ۱، ص: ۲۷

(۲) "تذکرۃ الرشید" (جدید ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سن اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد نمبر: ۱، ص: ۵۰

مندرجہ بالا اقتباس سے ثابت ہوا کہ:-

⊙ مولوی رشید احمد گنگوہی صاحب حصول علم کے لئے ۱۲۶۱ھ میں دہلی گئے تھے اور تب ان کی عمر سترہ (۱۷) سال تھی۔

⊙ مولوی قاسم نانوتوی صاحب حصول علم کے لئے ۱۲۶۰ھ میں دہلی گئے تھے اور تب ان کی عمر تیرہ (۱۳) سال تھی۔

گنگوہی اور نانوتوی کی بے مثال "محبت"

۱۷، سالہ مولوی رشید احمد صاحب اور ۱۳، سالہ مولوی قاسم نانوتوی یعنی دونوں Teen Ager اپنے گھر اور وطن سے دور دہلی جیسے بڑے شہر (عروس البلاد) Metropolis City میں کتنا عرصہ ساتھ رہے؟ اور طالب علمی کے زمانے میں ان دونوں کے تعلقات کیسے تھے؟ ایک حوالہ ملاحظہ فرمائیں۔

"حضرت امام ربانی مولانا گنگوہی قدس سرہ کو قاسم العلوم، زبدۃ الافاضل، مولانا المولوی محمد قاسم

صاحب نانوتوی کے ساتھ طالب علمی کے زمانہ میں چار سال تک مرافقت و معیت اور ہم سبقی و یک جہتی کے سبب اس درجہ تعلق بڑھ گیا تھا کہ فلک علم کے دونوں شمس وقمر گویا جسم و روح یا گل و بو کا علاقہ رکھتے اور یک جان دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے"

(۱) "تذکرۃ الرشید" (قدیم ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: مکتبۃ الشیخ، محلہ مفتی، سہارنپور (یوپی)، جلد نمبر: ۱، ص: ۴۰

(۲) "تذکرۃ الرشید" (جدید ایڈیشن)، مؤلف: مولوی عاشق الٰہی میرٹھی، ناشر: دارالکتاب، دیوبند، سن اشاعت ۲۰۰۲ء، جلد نمبر: ۱، ص: ۶۷

مولوی رشید احمد گنگوہی اور قاسم نانوتوی صاحب طالب علمی کے زمانہ میں صرف چند ماہ یا ایک سال ساتھ نہیں رہے بلکہ پورے چار (۴) سال کا طویل عرصہ ایک ساتھ رہے۔ علاوہ ازیں عام طور سے طالب علمی میں سرسری جان پہچان اور دعا سلام کا اوپری تعلق ہوتا ہے۔ لیکن گنگوہی صاحب اور نانوتوی کا تعلق "مرافقت و معیت اور ہمسبقی و یک جہتی کے سبب اس درجہ تعلق بڑھ گیا تھا"

اس جملہ کو لغت سے اچھی طرح حل کریں:-

☆ مرافقت = باہمی میل جول، ہم نشینی، اتحاد باہمی۔ (فیروز اللغات، ص: ۱۲۲۴)

☆ معیت = ساتھ، ہمراہی (حوالہ: ایضاً، ص: ۱۲۶۶)

☆ ہم سبق = ساتھ سبق پڑھنے والا، ہم درس، ہم جماعت (حوالہ: ایضاً، ص: ۱۴۴۷)

☆ یک جہتی = (۱) اتحاد، اتفاق، دوستی، (حوالہ: ایضاً، ص ۱۴۶۸)

(۲) Full Accord, Unanimity Accord

(حوالہ: English-Urdu-English Combined Dictionary, by Dr. Abdul Haq, Publisher : Star Pub. Pvt. Ltd. Delhi. Page No. 1458)

گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب عام طلبہ کی طرح نہیں تھے۔ ان کا آپس میں جو تعلق تھا وہ سرسری اور عمومی کا نہیں تھا۔ بلکہ باہمی میل جول، ہم نشینی، ہمراہی اور باہمی اتحاد کی وجہ سے بے مثل و مثال تھا۔

چار سال تک ایک ساتھ۔ کھانے، پینے، پڑھنے، اُٹھنے، بیٹھنے، رہنے، سونے، جاگنے، پھرنے کی وجہ سے تعلق اتنا بڑھ گیا تھا کہ بقول سوانح نگار مولوی عاشق الٰہی میرٹھی "دونوں جسم و روح یا گل و بو کا علاقہ رکھتے تھے اور یک جان دو قالب کا مظہر بنے ہوئے تھے" یعنی دونوں کا رشتہ اب جسم و روح کا رشتہ بن چکا تھا۔ روح انسان کے جسم میں سمائی ہوئی ہوتی ہے۔ اب دونوں میں سے کون روح اور کون جسم تھا؟ یا دونوں روح اور دونوں جسم تھے؟ یعنی کون کس میں سمایا ہوا تھا؟ یا دونوں ایک دوسرے میں سمائے ہوئے تھے؟ اور اگر ان کا رشتہ "گل و بو" یعنی پھول اور خوشبو کا تھا، تو پھول میں خوشبوی پیوست یعنی جذب ہوتی ہے۔ تو ان دونوں میں سے کون پھول اور کون خوشبو تھا؟ یا دونوں ہی پھول اور خوشبو تھے؟ یعنی کون کس میں جذب تھا؟ یا دونوں ایک دوسرے میں جذب تھے؟ اس کی وضاحت میرٹھی صاحب نے نہیں کی۔ البتہ محبت کے تعلقات کی آخری منزل "یک جان دو قالب" کی ضرور نشاندہی کی ہے۔ یعنی یہ دونوں طالب علمی کے زمانہ میں چار (۴) سال کی طویل مدت تک ایک دوسرے کی محبت، الفت، ہمدردی، چاہت، لگن، پیار، دوستی، عشق، چاہ، فریفتگی، لگاؤ، باریابی، میلان، علاقہ، ذہن، خیال، رغبت میں ایسے دوچار ہوئے تھے کہ دونوں ایک روح اور دو جسم کی مثال بنے ہوئے تھے۔

طالب علمی کے زمانے میں ایک ساتھ گزارے ہوئے حسین دن اور رنگین راتیں گنگوہی صاحب کے ذہن میں پتھر میں کئے گئے نقش کی طرح منقش ہو گئی تھیں۔ عالمی شہرت یافتہ عالم اور دیوبندی جماعت کے پیشوا کے منصب پر فائز ہونے کے باوجود طالب علمی کا زمانہ اور مولوی قاسم نانوتوی کے ساتھ گزارے ہوئے حسین لمحات وہ بھول نہ سکے۔ بلکہ:-

اُجالے اپنی یادوں کے ہمارے ساتھ رہنے دے
نہ جانے کس گلی میں زندگی کی شام ہو جائے

کے مصداق بن کر ماضی کے حسین و دلفریب لمحات کا عکس ان کے تصور میں اُبھرا کرتا تھا اور تخیل میں ماضی کی یاد کی اتنی بہتات ہوتی تھی کہ رات کو سوتے میں بھی ماضی کے وہ لمحات انگڑائیاں لے کر بشکل خواب رونما ہوتے تھے۔

آیئے اب گنگوہی صاحب کے خواب کے تعلق سے کچھ گفتگو کریں (۵)

گنگوہی کی فحش بیانی کو "ارشاد" قرار دینا دیوبندی مذہب کی حقیقت کے لئے کافی دلیل ہے:

⊙ "ایک بار ارشاد فرمایا: میں نے ایک بار خواب دیکھا تھا کہ" یعنی سوانح نگار کس درجہ غلو اور چاپلوسی سے کام لے رہا ہے وہ ملاحظہ فرمائیں۔ اردو ادب میں لفظ "ارشاد" کا استعمال اس وقت کیا جاتا ہے جب کوئی معزز پیشوا رشد و ہدایت پر مشتمل کوئی بات یا نصیحت کرے۔ جب کسی بزرگ شخصیت کا کوئی قول نقل کرنے سے پہلے "ارشاد فرمایا" لکھا جاتا ہے، تو اس کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اب اس بزرگ کا کوئی ایسا قول نقل کیا جائیگا جو نصیحت اور ہدایت پر مبنی ہے۔ لیکن گنگوہی صاحب کا بیہودہ اور گندہ خواب نقل کرنے سے پہلے میرٹھی صاحب نے لفظ "ارشاد" استعمال فرما کر یہ ذہن دینے کی کوشش کی ہے کہ اب جو خواب نقل کیا جا رہا ہے، وہ قوم کو رشد و ہدایت کی تلقین و تعلیم کرنے والا ہے۔ بلکہ اس خواب کے تذکرہ سے قوم کو نصیحت کر کے ہدایت کی راہ پر گامزن کیا جائیگا۔ کتابوں میں بزرگان دین کے نیک خواب شائع کرنے کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ اس کو پڑھ کر قوم نصیحت اور ہدایت حاصل کرے۔ لہٰذا ایسے خواب کی روایت کسی بزرگ سے نقل کرتے

---

(۵) بعض دیوبندی اس خواب میں تاویل یہ کرتے ہیں کہ رشید احمد گنگوہی و قاسم نانوتوی کا یہ معاملہ خواب کا ہے، اور خواب پر مواخذہ نہیں ہوتا، جیسے اگر کوئی خواب میں زنا کرے تو اس پر کوئی حد نہیں، وغیرہ وغیرہ۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ہمارا اعتراض محض خواب پر نہیں بلکہ ہمارا اعتراض یہ ہے کہ اگر گنگوہی صاحب نے خواب دیکھ بھی لیا تو اسے مجمع عام میں بیان کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اگر نانوتوی کی غیر فطری محبت میں اس بیہودہ خواب کو بیان کر بھی دیا تو عقل کے اندھے دیوبندیوں کو "ارشاد" کی عقیدت کا پاجامہ پہنا کر اسے نقل کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اور اگر نقل کر ہی دیا تو پھر اس لذت گناہ کو چھپانے کے بجائے چھاپنے کی ضرورت کیا تھی؟ کیا دیوبند کے مفتی اس بات کی اجازت دینگے کہ کوئی شخص خواب میں کسی سے زنا کرتے ہوئے دیکھے اور پھر اسے سرعام بتانے کے مقصد سے اس گناہ کی لذت میں دوسروں کو شریک کرے؟ اور پھر جرات یہ کہ اسے باقاعدہ تصانیف میں چھاپے؟ اور ایسی گندی ذہنیت کو پھیلانے کیلئے شریعت نے اگر خدانخواستہ ایسا کوئی اصول مقرر کر رکھا ہے تو وہ بتا دیجئے؟ نہیں تو پھر مان لیجئے کہ تذکرۃ الرشید میں ایسا خواب لکھنا ہی غلط ہے اور اپنے بزرگوں کے اس عمل کو غلط جان اور مان کر حق کا ساتھ دیجئے۔ حالانکہ اس تذکرۃ الرشید کے شروع میں لکھا ہے کہ جن دنوں یہ تصنیف کی جا رہی تھی تو اس کے مؤلف کو خواب آیا کہ رسول خدا ﷺ کی سوانح لکھی جا رہی ہے (ص ۸ ملخصا) (ابو معاویہ)

وقت راوی ہمیشہ لفظ "ارشاد" کہتا ہے یا لکھتا ہے۔ گنگوہی صاحب کے خواب کا تذکرہ کرنے میں بھی مؤرخ نے لفظ "ارشاد" لکھ کر بند لفظوں میں اعتراف کیا ہے کہ ہمارے پیشوا گنگوہی صاحب کا جو خواب اب لکھا جارہا ہے، وہ خواب ہدایت کے خواستگاروں کے لئے مشعل راہ ہے۔ خواب کیا ہے؟ ملاحظہ فرمائیں:۔

⊙ "مولوی محمد قاسم صاحب عروس کی صورت میں ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا" (تذکرۃ الرشید، ص:۲۸۹ کی عبارت) "مولوی محمد قاسم کو میں نے دیکھا کہ دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا نکاح ان کے ساتھ ہوا" (ص:۲۲۵ کی عبارت)۔ اردو زبان کی مشہور مثل ہے کہ "بلی کے خواب میں چھیچھڑے"۔ یہاں دو باتیں قابل غور وفکر ہیں اور دونوں غیر فطری ہیں۔ پہلی بات تو مرد کا دلہن بننا اور جب دلہن بننے والا مرد کوئی مولوی ہو، تب مزید تعجب وحیرت کا احساس ہوتا ہے۔ ایک داڑھی والا مولوی شخص دلہن کی طرح سج دھج کر زیبائش و آرائش اور بناؤ سنگار کے تمام سامان سے آراستہ وپیراستہ ہوکر اور سر پر لال چندری ڈال کر بیٹھا ہو، یہ منظر ہی عجیب وغریب اور غیر فطری ہے۔ ذرا سوچئے تو صرف گنگوہی صاحب ہی بتا سکتے ہیں۔ کیونکہ وہی ایک عینی شاھد ہیں۔ صرف انھوں نے ہی اپنی دلہن نانوتوی بیگم کو خواب میں دیکھا ہے۔ ان کے علاوہ نوع انسانی کے تمام افراد نانوتوی دلہن کا مشاہدہ کرنے سے محروم ہیں۔ صرف گنگوہی صاحب کی زبانی نانوتوی دلہن کا ذکر سن کر لطف اندوز ہوئے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ ایک مرد کا دوسرے مرد سے نکاح (٦)

---

(٦) بعض دیوبندی حضرات وکیل صفائی بنتے ہوئے فن تعبیر کی کتب سے بیان کرتے ہیں کہ اگر کوئی خواب دیکھے کہ وہ کسی کے ساتھ بدفعلی کر رہا ہے تو اسکی تعبیر یہ ہے کہ کرنے والا، کرانے والے کے ساتھ بھلائی کرے گا۔ اور یہاں یہی مطلب ہے ۔اس بات کے متعدد جوابات ہیں (١) گنگوہی صاحب کے دل کا چور خود انکے الفاظ سے پکڑا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے اس ہوائے نفسانی خواب کی تعبیر یوں کرتے ہیں کہ "آخر انکے بچوں کی کفالت کرتا ہی ہوں۔" (تذکرۃ الرشید) یعنی دل میں پہلے سے اس گناہ کی لذت تھی، جسکا اظہار حال وقال دونوں میں نظر آتا ہے۔ گنگوہی صاحب تو اسکی یہ تعبیر فرمارہے ہیں اور آج کے دیوبندی ہیں کہ جو گنگوہی صاحب کی اتباع کو چھوڑ کر نئی تعبیر بیان فرمارہے ہیں۔ فیاللعجب علماء نے مختلف تعبیرات میں سے یہ تعبیر ضرور بیان فرمائی ہے کہ کرنے والا کرانے والے کو بھلائی پہنچائے گا۔ لیکن گنگوہی صاحب کے دل کا چور یوں بھی کھل کے آجاتا ہے کہ گنگوہی صاحب تو نانوتوی صاحب کو بھلائی پہنچانے کے ساتھ ساتھ نانوتوی صاحب سے بھلائی کے حصول کا ذکر بھی ان الفاظ سے کرتے ہیں کہ "سو جس طرح زن وشوہر کو ایکدوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے ۔۔۔انھیں مرید کرادیا۔" (تذکرۃ الرشید) اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ گنگوہی ونانوتوی (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

چھی ۔۔۔ چھی ۔۔۔ چھی ۔۔۔ اور توبہ ۔۔۔ توبہ۔ ایک مرد کا دوسرے مرد سے نکاح ہونا ضرور غیر فطری بات ہے لیکن ایک مولوی کا دوسرے مولوی سے نکاح ہونا مزید قبیح ورذیل فعل ہے۔ کیونکہ اسلام ایک ایسا مہذب اور فطری دین ہے کہ اسلام نے ایسے غیر فطری افعال قبیحہ، شنیعہ اور رذیلہ کی روک تھام کے لئے اس کے مرتکب کے لئے سخت سزا متعین فرمائی ہے علاوہ ازیں عذاب شدید کی وعید بھی سنائی ہے۔

اسلام میں ہم جنس پرستی کی سزا:

پیغمبر اسلام سید المرسلین، حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے جو کچھ ہو گیا ہے اور جو کچھ ہونے والا ہے، اس کا علم اپنے فضل وکرم سے عطا فرمایا ہے اور حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی نگاہیں دیکھ رہی تھیں کہ ایک زمانہ وہ آئیگا کہ لوگ پھر اس فعل قبیح کی طرف راغب ہوں گے۔ لہٰذا ہم جنس پرستی (Homosexuality) کے تعلق سے ایسے سخت قوانین نافذ فرمادیئے کہ اس کے مرتکب کیلئے سزائے موت متعین فرمادی۔ قرآن مجید میں بھی کئی مقامات پر اس غیر فطری فعل کی سنگینی کا احساس دلایا گیا ہے۔

جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ اس غیر فطری کام کی ابتداء حضرت سیدنا لوط علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم نے شیطان کے ایماء اور تعلیم پر کی۔ لیکن وہ لوگ بھی آپس میں نکاح نہیں کرتے تھے۔ ایک مرد دوسرے مرد کے ساتھ جنسی تعلق قائم کر کے اغلام بازی اور امرد پرستی کے انسانیت سوز مرض میں ضرور مبتلا تھا۔ ان کے یہ غیر فطری افعال عارضی معاہدہ کے ہوتے تھے یعنی کسی مرد کو کسی دوسرے مرد کی طرف رغبت ہوتی تھی، تو وہ دونوں باہمی رضامندی سے ایک دو دن یا چند دنوں تک ہم جنسی تعلقات قائم کرتے تھے اور پھر الگ ہوکر دوسروں سے تعلقات قائم کر لیتے تھے۔ ان کا یہ تعلق زندگی بھر کیلئے نہیں ہوتا تھا بلکہ چند دنوں کیلئے اپنے پسندیدہ فرد کے ساتھ اغلام بازی کر کے اپنی شہوت فاسدہ کی تکمیل اور حصول لذت کے اختتام کے بعد اجنبی بن جاتے تھے۔ زندگی بھر اس غیر فطری فعل کے ساتھ منسلک رہنے کیلئے نکاح نہیں کرتے تھے۔

(بقیہ حاشیہ) صاحبان ایکدوسرے کو زن وشوہر جیسے فائدے پہنچاتے تھے۔ (۳) یہاں بات صرف خوابوں کی بارات تک نہیں رکی ہے، بلکہ خواہش نفس سے غالب ہوکر دولہا میاں اس "نفع" کو سر عام مجمع میں بجالانے کے گناہ کا بھی ارتکاب کر چکے ہیں۔ یعنی خواہش نفس کو ایک محض جھوٹے خواب کا پاجامہ پہنایا، اور بعد ازاں تعبیر کے حصول میں اس پاجامے کو ہی اتار کھینچا۔ اب اس ننگائی کو دیوبندی حضرات "خواب میں جو دیکھا سچ کر دکھایا۔" کے نفع سے تعبیر کریں، تو اسی بات کا اظہار مصنف حفظہ اللہ نے اسی کتاب (داڑھی والی دلہن) میں بحوالہ ارواح ثلاثہ بیان فرمایا ہے (ابو معاویہ)

ہم جنس پرستوں کو انیسویں صدی میں تحفظ دیا گیا:

لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، لوگوں نے شرم و حیا کے مہذب لباس آہستہ آہستہ اپنے وجود سے زائل کرنا شروع کر دیئے۔ زمانہ ماضی میں ہم جنس پرستی کو اتنا معیوب سمجھا جاتا تھا کہ اس غیر فطری فعل میں ملوث افراد کو ذلت اور حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ لیکن انیسویں صدی عیسوی میں ہم جنس پرستی کی لعنت دنیا میں عام ہوتی گئی اور مغربی تہذیب کے دلدادہ ممالک نے اسے قانونی تحفظ کی زرہ (Iron Armor) پہنا کر ہم جنسوں کے تعلقات کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا۔ مثلاً:-

(۱)	۱۹۳۲ء میں پولینڈ (Poland)	(۲)	۱۹۳۳ء میں ڈنمارک (Denmark)
(۳)	۱۹۴۴ء میں سویڈن (Sweden)	(۴)	۱۹۶۷ء میں برطانیہ (Britan).
(۵)	۱۹۹۲ء میں ناروے (Norway)	(۶)	۱۹۹۲ء میں آئس لینڈ (Island)
(۷)	۲۰۰۲ء میں فن لینڈ (Finland)	(۸)	۲۰۰۱ء میں نیدر لینڈ (Netherlands)
(۹)	۲۰۰۳ء میں بیلجیم (Belgium)	(۱۰)	۲۰۰۵ء میں اسپین (Spain)
(۱۱)	۲۰۰۵ء میں کینیڈا (Canada)	(۱۲)	۲۰۰۷ء میں نیپال (Nepal)

علاوہ ازیں جنوبی افریقہ (South Africa) اور آسٹریلیا (Australia) وغیرہ ملکوں نے ہم جنسی جیسے مہلک اور بھیانک ارتکاب کو جرائم (Crimes) کی فہرست سے خارج کر دیا اور مذکورہ ممالک میں سے بعض ممالک نے تو ہم جنسوں کی شادی کو قانونی طور پر تسلیم کر لیا ہے۔

خیر! یہ تو غیر اسلامی ممالک کے یہودی اور نصرانی باشندوں کے ہم جنسی تعلقات اور باہمی شادی کے روابط کے تعلق سے گفتگو ہوئی۔ لیکن ہم قارئین کی توجہ ایک نکتہ کی طرف مرکوز کرانا چاہتے ہیں۔

ہم جنس پرستوں کی شادی کا تصور:

ایک مرد اپنی شہوت کسی مرد سے پوری کرے (Sodomy) یہ ایک لائق مذمت غیر فطری اور قبیح فعل ہے۔ اس روئے زمین پر اسکے مرتکب ہزاروں سال سے ہیں۔ لیکن ایک مرد کسی مرد سے شادی کرے یہ قباحت عام ہونے کو طویل عرصہ نہیں ہوا بلکہ بہت قلیل عرصہ ہوا ہے۔ البتہ غیر جنسی تعلقات کو جرائم کی فہرست سے خارج کر کے قانونی تحفظ دینے کی ابتدا ۱۹۳۲ء میں پولینڈ (Poland) نے کی ہے اور ہم

جنسوں کو شادی کا حق سب سے پہلے ۲۰۰۱ء میں نیدر لینڈ (Netherland) نے دیا ہے۔ المختصر! ۲۰۰۱ء سے پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کا تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ بلکہ ہم جنسوں کی شادی کا کسی کو خیال تک بھی نہ آیا تھا کیونکہ یہ ایک بعید از عقل اور قیاس سے ماوراء فعل تھا۔

لیکن ہم جنسوں کی شادی کا تصور ۱۹۰۵ء سے پہلے دیوبندی مکتبۂ فکر کے پیشوا نے مشتہر کیا۔ وہابی، دیوبندی جماعت کے پیشوا اور تبلیغی جماعت کے امام ربانی مولوی رشید احمد گنگوہی کا انتقال ۸، جمادی الآخر ۱۳۲۳ھ مطابق گیارہ (۱۱) اگست ۱۹۰۵ء بروز جمعہ ہوا ہے (حوالہ:- تذکرۃ الرشید (جدید ایڈیشن) جلد نمبر (۲) ص: (۳۱۳)) اور جناب گنگوہی صاحب نے مولوی قاسم نانوتوی کے ساتھ اپنا نکاح ہونے کا خواب اپنی محفل میں بیان کیا ہے۔ یہ خواب انھوں نے کب دیکھا؟ خواب کو اپنی محفل میں اپنے احباب کے سامنے کب بیان کیا؟ اس کی وضاحت تذکرۃ الرشید کے مؤلف نے نہیں کی۔ البتہ اتنا تو یقین کامل کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ گنگوہی صاحب نے اس خواب کو اپنی حیات ناپاک میں بیان کیا ہے اور گنگوہی صاحب ۱۹۰۵ء میں موت کی آغوش میں چلے گئے لہٰذا اتنا تو ہر کوئی شخص یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ یہ خواب ۱۹۰۵ء سے قبل کا ہے۔

۱۹۰۵ء سے قبل دنیا کے کسی بھی خطے میں ہم جنسوں کے باہمی نکاح کا کسی کو خیال بھی نہ آیا تھا۔ البتہ ہم جنسی تعلقات کی بدی صدیوں سے رائج تھی اور پوری دنیا میں اس بدی کی مذمت و تذلیل کی جاتی تھی اور ہر مذہب اور ہر سماج نے اسے غیر فطری کام قرار دے کر اس فعل کے مرتکب کیلئے کڑی اور سخت سزا مقرر کی تھی۔ اور اس فعل قبیح کو جرائم کی فہرست میں نمایاں طور پر درج کیا تھا۔ لیکن ۱۹۰۵ء کے بعد اس غیر فطری کام سے گھن اور نفرت میں کمی واقع ہوتی شروع ہوئی۔ اس کی وجہ یہ ہوئی کہ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۰ء کے درمیان یہودیوں کی عالمی تحریک صیہونی (Zionist) نے (Protocols of Elders) زیادہ عمر والے (Seniors) کے حکومتی معاہدے کے منصوبہ (Resolution) کے تحت خفیہ تحریک چلائی اور ہم جنس پرستی کو مقبول عالم اور اسے قانونی تحفظ دینے کی جد و جہد شروع کی اور خفیہ اجلاس (Secret Meetings) کا انعقاد کر کے اس کو خفیہ طور پر رائج کیا۔ ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۵ء یعنی دس (۱۰) سال تک یہ تحریک خفیہ طور پر چلائی گئی۔ پھر ۱۹۰۵ء میں پروفیسر "سرگوئی نلوس" نام کے ایک روسی (Russian)

پادری نے علی الاعلان دنیا کے سامنے ہم جنس پرستی کا مناسب ہونا وضاحت کے ساتھ پیش کیا۔ پھر کیا تھا؟ یورپی اور مغربی ممالک میں ہم جنس پرستوں کی حمایت اور سرپرستی کا آغاز ہوا اور ۱۹۳۲ء سے ۲۰۰۱ء تک ستر (۷۰) سال کے عرصہ میں مغربی تہذیب کے دلدادہ ممالک میں ہم جنس پرستی (Homosexuality) سے کی جانے والی نفرت میں آہستہ آہستہ کمی واقع ہونے لگی اور ایک وقت ایسا آیا کہ نفرت اب حمایت میں تبدیل ہوگئی ممالک نے اس قابل مذمت فعل کو جرائم (Crime) کی فہرست سے خارج کرکے اسے جائز اور مناسب قرار دیا۔

لیکن !!! ابھی تک ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر تسلیم نہیں کیا گیا۔ ۲۰۰۱ء سے ۲۰۰۵ء تک کے عرصہ میں بیلجیم (Belgium) اسپین (Spain) اور کینیڈا (Canada) نے ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر تسلیم کرکے پوری دنیا میں ہلچل مچادی:-

اس بحث کو طول نہ دیتے ہوئے اب ہم اس بحث کے ماحصل اور اہم نکات کی طرف قارئین کرام کی توجہ ملتفت کراتے ہیں کہ:-

☆ ۱۹۰۵ء میں ایک روسی پادری نے ہم جنس پرستی (اغلام بازی) کے مناسب ہونے کا اعلان کیا۔ اور عجیب اتفاق ہے کہ ۱۹۰۵ء میں انتقال کرنے والے وہابی دیوبندی جماعت کے آنجہانی پیشوا مولوی رشید احمد گنگوہی نے ۱۹۰۵ء سے پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کا خواب مشتہر کردیا اور شادی کے اس خواب میں دولہا کے روپ (Role) میں خود کو بتایا۔

☆ ہم جنسوں کی باہمی شادی کو قانونی طور پر ۲۰۰۱ء میں تہذیب اور اخلاق سے نابلد ممالک نے تسلیم کیا لیکن ۱۹۰۵ء سے تقریباً ایک صدی پہلے ہم جنسوں کی باہمی شادی کی تقریب کا خواب مولوی رشید احمد گنگوہی نے مشتہر کرکے دنیا بھر کے اغلام بازوں کے لئے راستہ ہموار کرکے امید کی کرن جگمگادی کہ جب ایک مولوی مرد دوسرے مولوی مرد کو دلہن کی صورت میں دیکھ کر اس سے شادی کا خواب دیکھ سکتا ہے، تو ہم کس کھیت کی مولی؟ مولوی صاحب نے خواب میں جو کیا، وہ ہم حقیقت میں کر دکھاتے ہیں۔ بھلا ہو مولوی صاحب کا امرد سے مرد کی شادی کا خواب دیکھا اور اس کو مشتہر کرکے ہمارے لئے دائمی طور پر اغلام بازی کرنے کی راہ ہموار کردی۔ ان کے خواب کو ہم شرمندۂ تعبیر کر دکھاتے ہیں۔ ذہنیت نکاح مرد از مرد کا سہرا تو

مولوی صاحب کے سر پر ہی باندھنا چاہئے کیوں کہ اگر بنظر غائر دیکھا جائے تو گنگوہی صاحب اس مفسدہ خطرناک تحریک کے اولین محرک نظر آتے ہیں۔ اپنے ہم جنس محبوب کے ہجر میں تڑپنے والے اغلام بازوں پر ان کا تا قیامت احسان رہیگا کہ وصلِ ہم جنس محبوب کی آرزو اور تمنا میں بے چین و بے قرار دلوں کیلئے سامانِ تسکین مہیا کرنے کی ذہنیت اُن کے طفیل ہی ملی۔

⊙ گنگوہی صاحب نے خواب بیان کیا کہ خواب میں میں نے دیکھا کہ مولوی قاسم دلہن بنے ہوئے ہیں اور میرا ان سے نکاح ہوا۔ پھر آگے خواب بیان کرتے ہیں کہ "سو جس طرح زن و شوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے، اسی طرح مجھے ان سے اور انھیں مجھ سے فائدہ پہنچا ہے" یعنی شوہر اور بیوی کے ازدواجی تعلقات میں ایک دوسرے کو جس طرح فائدہ پہنچتا ہے بالکل اسی طرح گنگوہی صاحب کو نانوتوی صاحب سے اور نانوتوی صاحب کو گنگوہی صاحب سے فائدہ پہنچا ہے۔ زن و شوہر نکاح کے مقدس رشتہ سے بندھ کر ایک دوسرے کے رفیقِ حیات بن کر بے شک ایک دوسرے کو بے شمار فائدے پہنچاتے ہیں لیکن ان کے رشتہ کی ابتداء جنسی تعلقات سے ہوتی ہے۔ اور اسی جنسی تعلق کے طفیل انھیں ایک سال کے بعد ماں اور باپ کا رتبہ حاصل ہوتا ہے۔ میاں بیوی کے رشتہ کی بنیاد ہی جنسی تعلق ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے نوعِ انسانی کی بقاء اور دوام کیلئے مرد اور عورت کے جنسی تعلق کو سبب بنایا ہے اور اس میں ایسی لذت، سکون، لطف، مزہ، ذائقہ، حلاوت، رغبت، میلان، خواہش، آرزو، ارمان، شوق، مٹھاس، شیرینی، راحت، آرام، سکھ، چاہ اور چسکا رکھا ہے کہ نوعِ انسانی کی اکثریت اس کے حصول کو اپنا مقصدِ حیات بنائے ہوئے ہے اور اس کی حرص و ہوس میں جان توڑ جدوجہد میں جان باختہ ہے۔

اگر کسی مرد اور عورت کیلئے یہ کہا جائے کہ ان کا رشتہ زن اور شوہر یا میاں اور بیوی کا ہے، تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ ان دونوں میں جنسی تعلق قائم ہے۔ مرد اور عورت نکاح کے بعد جنسی تعلق قائم کریں یہ ایک فطری امر ہے۔ جسے دنیا کے ہر مذہب اور ہر سماج نے روا رکھا ہے۔ لیکن ایک مرد دوسرے مرد سے نکاح کرے یا جنسی تعلق قائم کرے یہ ایک ایسا قبیح، معیوب، برا، شرمناک، نازیبا، غیر مناسب، ناپسندیدہ، نامعقول، غیر موزوں، بے جا اور ناخوشگوار غیر فطری کام ہے جس کی ہر مذہب و سماج نے مذمت کی ہے اور اپنی قلبی نفرت کا مظاہرہ کیا ہے۔ گنگوہی صاحب اپنے خواب کے ضمن میں فرماتے ہیں کہ میں نے اور مولوی

قاسم نانوتوی صاحب نے مثل میاں بیوی ایک دوسرے سے فائدہ حاصل کیا ہے۔ میاں بیوی کو سب سے پہلا فائدہ جنسی تعلق کی مسرت کا حاصل ہوتا ہے۔ یہ حقیقت اسقدر عام ہے کہ ہر شخص اس سے واقف ہے۔ گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب سے بیوی کا سا فائدہ حاصل کرنے کی بات جوش جنوں اور جذبہ عشق کے سیلاب میں بہک کر کہہ تو دی لیکن فوراً خیال آیا کہ ہائے ہائے! میں نے رازِ سربستہ فاش کر دیا۔ رازِ نہاں کو عیاں کر دیا۔ خفیہ راز کی بات منہ سے نکل گئی۔ اب کیا ہوگا؟ **منہ سے نکلی کوٹھوں چڑھی اور منہ سے نکل ہوئی پرائی** بات والی مثل کے مطابق اب یہ راز و نیاز کی باتیں عوام الناس کے مابین مشہور ہو جائیں گی اور میری عزت دو کوڑی کی نہ رہے گی اور عزت میں بٹا لگ جائیگا۔ یہ خیال آتے ہی گنگوہی صاحب نے بات کو حسین موڑ دینے کی سعی ناکام کرتے ہوئے فرمایا کہ:-

⊙ **""انھوں نے حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی تعریف کر کے ہمیں مرید کرایا اور ہم نے حضرت سے سفارش کر کے انھیں مرید کرا دیا"**۔ یہاں جس "حضرت رحمۃ اللہ علیہ" کا ذکر ہے، اس سے مراد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی ہیں، جو مولوی رشید احمد گنگوہی، مولوی قاسم نانوتوی اور مولوی اشرف علی تھانوی کے پیر و مرشد ہیں۔ بات کو کیسا حسین رخ دیا جا رہا ہے۔ پہلے تو یہ کہا کہ نانوتوی صاحب بشکل دلہن بیٹھے ہوئے خواب میں نظر آئے اور میرا اُن سے نکاح ہوا۔ یعنی گنگوہی دولہا بنے اور نانوتوی صاحب اب نانوتوی صاحبہ بن کر گنگوہی صاحب کی بیگم بنے۔ وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے دو پیشوا خواب میں ازدواجی رشتہ سے منسلک ہوئے۔ جناب پروفیسر خالد محمود مانچسٹروی صاحب کو اُن کے دو پیشواؤں کی ہم جنسی شادی کی مبارک بادی...... مبارک...... مبارک!!! مانچسٹروی صاحب خوشیاں مناؤ، دولہا دلہن کی جوڑی سلامت رہے کی دعا مانگو۔ اگر جشن شادی کی تہنیت میں مٹھائی تقسیم کرو تو براہِ کرم ہمیں مت بھیجنا۔ ہم گیارہویں شریف کی مٹھائی کھانے والے ایسی ناروا اور غیر فطری شادی کی مٹھائی نہیں کھاتے۔ ہم آپ سے شادی کی مٹھائی کا تقاضا نہیں کرتے۔ البتہ ہمارا ایک تقاضا بطور قرض آپ کے سر ہے کہ براہِ کرم آپ ہمیں یہ تفصیلات فراہم کریں کہ ○ شادی میں مہر کی رقم کتنی طے پائی تھی؟ ○ نانوتوی صاحب کو جہیز میں کیا دیا گیا تھا؟ ○ نکاح کے وکیل اور گواہ کون تھے؟ یا پھر بغیر وکیل و گواہ ہی بند کمرے میں باہمی رضامندی سے ایک دوسرے کو شوہر اور گھروالی تسلیم کر لیا تھا؟

خیر! گنگوہی صاحب اپنے خواب کے نکاح کا تذکرہ کر کے اپنی بیگم نانوتوی صاحبہ سے ازدواجی رشتہ سے بندھنے کے بعد جس فائدہ کی بات کرتے ہیں، وہ بدبودار نجاست کے ڈھیر پر ریشمی چادر ڈالنے کے مترادف ہے۔ یعنی گنگوہی صاحب کی نانوتوی صاحبہ سے ہوئی غیر فطری شادی کا صرف ایک ہی فائدہ ہوا کہ بیگم نانوتوی صاحبہ نے ازدواجی زندگی کا حق اور فریضہ ادا کرتے ہوئے اپنے پیارے شوہر گنگوہی صاحب کے سامنے حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب کی اتنی زیادہ تعریف کی اور اتنی خوبیاں واوصاف بیان کئے کہ گنگوہی صاحب اپنی جاں نثار اور وفادار پیاری بیگم کی پیاری پیاری اور میٹھی میٹھی دل کو بھاتی باتوں پر اعتماد کر کے حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی کے ہاتھ پر بیعت کر کے مرید ہو گئے اور بیگم نانوتوی صاحبہ کو اس غیر فطری نکاح کا یہ فائدہ ہوا کہ بیگم نانوتوی صاحبہ کی رہنمائی کی وجہ سے گنگوہی صاحب کو حاجی امداد اللہ صاحب جیسے پیر و مرشد ملے، تو گنگوہی صاحب نے بھی ایک شفیق شوہر کا فریضہ انجام دیتے ہوئے اپنی ہمدرد اور محسنہ پیاری بیگم نانوتوی صاحبہ کے احسان کا بدلہ چکاتے ہوئے اپنے پیر و مرشد حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے سفارش کر کے انھیں بھی حاجی صاحب سے بیعت کرا دیا۔ یعنی گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب سے نکاح کے خواب میں جو کہا کہ **"جس طرح مرد اور عورت کو جو فائدہ پہنچتا ہے، ایسا ہی فائدہ ہم دونوں کو پہنچا ہے"** اس کی وضاحت بلکہ اپنا دفاع کرتے ہوئے (ے) گنگوہی صاحب یہ ذہن دینا چاہتے ہیں کہ مثل زن و شوہر ہم دونوں نے جو ایک دوسرے سے فائدہ اٹھایا ہے اس سے مراد یہ ہے کہ ہم دونوں نے ایک دوسرے کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب سے مرید کرایا ہے۔

⊙ اگر یہی مراد ہے تو پھر یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی کہ **"جس طرح زن و شوہر میں ایک کو دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے"** کیا مرد اور عورت صرف اسی لئے نکاح کرتے ہیں کہ ایک دوسرے کو کسی کامل پیر

(ے) دیوبندیوں کی مانے والی سرکار اور شیخ الہند جناب محمود الحسن دیوبندی اپنے بزرگان گنگوہی و نانوتوی صاحبان کی اس محبت کا شاعرانہ رنگ میں یوں بیان کرتے ہیں کہ

قربِ جسمانی پہ ہے ان کے تعلق کا مدار
قربِ روحانی سے یہ یک دل و یک جاں دونوں

(کلیات شیخ الہند ص ۵۹ مجلس یادگار شیخ الاسلام)

اس شعر سے ہمارے دعوے کی تائید آپ حضرات پر ظاہر ہے اور مزید تشریح کی حاجت نہیں۔

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ کے لئے (ابو معاویہ)

سے مرید کرادیں؟ کیا مرد اور عورت نکاح کے بعد جنسی تعلق قائم ہی نہیں کرتے؟ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ زن و شوہر نکاح کے بعد ضرور جنسی تعلق قائم کرتے ہیں۔ نکاح کے بعد کی پہلی شب جس کو "سہاگ رات" کہا جاتا ہے۔ اس رات سے دونوں میں جنسی تعلق قائم ہوتا ہے اور جنسی تعلق کو جائز اور مناسب قرار دینے کیلئے ہی نکاح ہوتا ہے۔ عوام کی اصطلاح میں نکاح کا معنی ہی یہی ہے کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان جنسی تعلق کا قائم ہونا۔ دونوں ایک دوسرے سے محظوظ اور لطف اندوز ہوتے ہیں۔ اور اسی کو فائدہ کہا جاتا ہے۔ جو ایک کو دوسرے سے پہنچتا ہے۔ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے مثل زن و شوہر فائدہ اٹھایا۔ اس حقیقت کا تو گنگوہی صاحب اعتراف کرتے ہیں لیکن جو فائدہ اُٹھایا ہے اس کی بے تکی تاویل کرتے ہیں کہ ہم نے مثل زن و شوہر فائدہ ضرور اُٹھایا ہے۔ لیکن ہمارا یہ فائدہ جنسی تعلق سے بری اور بعید ہے۔ ہم نے ایک دوسرے کو حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے مرید کرانے کیلئے نکاح کا فائدہ اُٹھایا ہے۔

کیسی غیر موزوں، بے ڈھنگی اور بے جوڑ تاویل گنگوہی صاحب کر رہے ہیں۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی صاحب سے ہم دونوں نے ایک دوسرے کو مرید کرایا ہے، یہ بات بتانے کیلئے باہمی جنسی اور غیر فطری نکاح کی منظر کشی کرنا، نانوتوی صاحب کو دلہن کے بناؤ سنگار میں مزین (Decorated) کر کے دکھانا، پھر مثل زن و شوہر باہمی لطف اندوزی اور حصول فائدہ کا ذکر کرنا، ایسا غیر مربوط اور بے میل تذکرہ ہے کہ جس کا زمین آسمان پر ٹھکانا نہیں لگتا۔ گنگوہی صاحب کی اس بے تکی اور بے ربط تاویل کے ضمن میں یہ مثال نہایت ہی موزوں ثابت ہو رہی ہے کہ کوئی شخص اپنا خواب یوں بیان کرے کہ میں نے خواب دیکھا کہ میں ایک بہت بڑے شراب خانہ میں ہوں۔ سو جس طرح شرابی لوگ شراب سے لطف اندوز ہوتے ہیں، اسی طرح میں بھی لطف اندوز ہوا۔ ایک ڈول شراب کی بھر کے اس سے وضو اور غسل کر کے نماز پڑھی۔ توبہ...... توبہ...... جب وضو اور غسل کر کے نماز پڑھنی تھی، تو شراب خانہ میں جا کر شراب کی ڈول بھر کے وضو اور غسل کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ کسی مسجد کے حوض سے وضو، غسل کر لیتا تھا۔ اسی طرح اگر حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی سے مرید ہونے کا ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانا تھا تو غیر فطری اور ہم جنسی نکاح کرنا اور مثل شوہر و بیوی ایک دوسرے کو فائدہ پہنچانے کی بات کرنا کیا معنی رکھتی ہے؟ کچھ نہ کچھ دال میں کالا ضرور تھا۔ ماضی کے دھندلے نقوش ایام رفتہ کی گرد کی دبیز تہہ میں دبے ہوئے تھے جو اچانک انگڑائی لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے تھے اور بشکل خواب ذہن کے پردے پر اُبھر آئے

تھے، جو بیساختہ بھری محفل میں بیان کر دیا اور افشائے راز ہو گیا۔ بقول شاعر :-

ندامت ہوئی حشر میں بچکے بدلے جوانی کی دو چار نادانیاں تھیں

⊙ گنگوہی صاحب نے خواب کی نہاں کیفیت بھری محفل میں بیان کر کے عیاں کر دی اور اپنی عقل کا چراغ گل ہو جانے کا ثبوت پیش کر دیا۔ گنگوہی صاحب کی محفل میں بیٹھنے والے ان کے مریدین، محبین اور متعلقین بھی عقل کا دیوالیہ نکالنے میں گنگوہی صاحب سے دو (۲) نہیں بلکہ چار قدم آگے تھے۔ گنگوہی صاحب کی چمچا گیری، خوشامد اور چاپلوسی کرنے میں دماغ کو مغز سے خالی کر کے ہر بات میں ہاں جی ہاں جی کیا کرتے تھے بلکہ کریلا اور وہ بھی نیم چڑھا والی مثل کے مصداق بن کر ایسی احمقانہ اور جاہلانہ تائید و توثیق کرتے تھے کہ چور کا بھائی گٹھ کترا ہی محسوس ہوتے تھے۔

گنگوہی صاحب نے اپنا نکاح نانوتوی صاحب کے ساتھ ہونے کا خواب اپنے چمچوں کے سامنے بیان کیا۔ حالانکہ وہ خواب اتنا گھٹیا قسم کا تھا کہ معمولی عقل و فہم رکھنے والا بھی اسے سن کر بیزار ہو جائے۔ لیکن ایسے قابل نفرت اور گھناؤنا خواب سن کر گنگوہی صاحب کے چمچے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے ایسے گندے خواب کو موزوں اور مناسب ثابت کرنے کیلئے قرآن مجید کی مقدس آیت کریمہ کو بے محل و بے موقع چسپاں کر کے اندھا گائے۔ بہرا بجائے والی مثل کو صادق کر دیا ہے۔

قرآن مجید، پارہ (۵)، سورہ نساء کی آیت نمبر (۳۴) "الرجال قوامون علی النساء" ترجمہ :- "مرد افسر ہیں عورتوں پر" اس آیت کے ضمن میں تفصیلی تبصرہ کرنے کا مصمم ارادہ تھا لیکن "داڑھی والی دلہن" عنوان کا مضمون اتنا طویل ہو گیا ہے کہ اب بالاختصار عرض خدمت یہی ہے کہ یہ آیت کریمہ مرد اور عورت کی ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنائے رکھنے اور میاں بیوی کے تعلقات میں تنازع، جھگڑا، رنجش، عداوت، اختلاف جیسے قبیح معاملات کا دخل روکنے کے لئے اور معاشرے کے نظام کو حسن سلوک کے اخلاقی گوہر سے مزین اور آراستہ کرنے کیلئے شوہر اور بیوی کے مراتب و منصب کا فرق واضح کرنے کیلئے عورتوں پر مردوں کی حکمرانی بیان فرمائی گئی ہے۔

اس آیت کریمہ کے شان نزول میں تفسیر کی معتبر و معتمد کتب تفسیر خازن، تفسیر بیضاوی، تفسیر روح البیان، تفسیر کبیر، تفسیر روح المعانی وغیرہ میں ہے کہ حضرت سعد بن ربیع جو انصار کے نقیب تھے۔ ان کی شادی

حضرت زید بن زبیر کی بیٹی حضرت حبیبہ کے ساتھ ہوئی تھی۔ ایک دن حضرت سعد نے اپنی بیوی کو نافرمانی کی وجہ سے ناراض ہو کر ایک طمانچہ مار دیا۔ حضرت حبیبہ کے والد اپنی بیٹی کو لے کر بارگاہ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوئے اور استغاثہ کیا کہ داماد سعد نے بیٹی حبیبہ کو طمانچہ مارا ہے۔ لہذا داماد سے قصاص دلوایا جائے۔ یعنی بیٹی حبیبہ کو اجازت دی جائے کہ وہ داماد سعد کو تھپڑ کے بدلہ میں تھپڑ مار لیں۔ اس مطالبۂ قصاص پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور یہ حکم نافذ فرما دیا گیا کہ بیوی اپنے خاوند سے تھپڑ کا قصاص نہیں لے سکتی۔

المختصر اللہ تعالیٰ نے مرد کو عورت پر بزرگی دی ہے۔ گھریلو معاملات میں خاوند کو بادشاہ کا منصب حاصل ہے اور بیوی گھر کے وزیر کا رتبہ رکھتی ہے۔ خاوند گھر کا بادشاہ ہے اور بیوی بچے رعیت ہیں۔ بیوی بچوں کا نان ونفقہ و دیگر ضروریات پورا کرنے کے لئے شوہر محنت ومشقت برداشت کر کے کماتا ہے۔ بیوی بچوں کی پرورش کی ذمہ داری شوہر کے سر ہوتی ہے۔

اب قارئین کرام غور فرمائیں کہ گنگوہی صاحب کے گندے خواب کو اس آیت سے کوئی نسبت ہے؟ نہیں، بالکل نہیں۔ پھر بھی گنگوہی صاحب کی چاپلوسی اور چمچا گیری کا حق ادا کرتے ہوئے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے بے تکی تطبیق اور بے جا ربط کرتے ہوئے یہ آیت کریمہ چسپاں کرنے کی مذموم حرکت کی ہے۔ اس پر طرہ یہ کہ چمچے کی بات کو شرف قبولیت سے نوازتے ہوئے بلکہ اس کی تصدیق وتائید کرتے ہوئے گنگوہی صاحب نے فرمایا کہ "ہاں، آخر ان کے بچوں کی تربیت کرتا ہی ہوں" یعنی گنگوہی صاحب کے غیر فطری نکاح کے خواب کے تعلق سے حکیم محمد صدیق کاندھلوی نے قرآن مجید کی مقدس آیت کریمہ "الرجال قوامون علی النساء" سے غلط استدلال کرنے کی جو قبیح جرأت کی ہے، اسے گنگوہی صاحب سراہتے ہیں کہ ہاں! ہاں تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ مرد اور عورت یعنی خاوند و بیوی کے مابین جو جنسی تعلق ہوتا ہے (وطی یا ہمبستری یا Intercourse) اس کے نتیجہ میں جو بچے پیدا ہوتے ہیں، انکی پرورش شوہر کرتا ہے۔ ہاں! ہاں میں بھی ایک فرض شناس شوہر کی حیثیت سے نانوتوی صاحب کے بچوں کی تربیت یعنی پرورش کرتا ہوں۔ عبارت میں "تربیت کرتا ہوں" کا جملہ نہیں بلکہ "تربیت کرتا ہی ہوں" کا جملہ ہے یعنی عبارت میں لفظ "ہی" وارد ہے۔ لغت میں لفظ "ہی" کے چند معنی مرقوم ہیں۔ ○ اکیلا ○ تنہا ○ محض ○ صرف ○ ضرور ○ فقط وغیرہ۔ علاوہ ازیں اسے حرف تاکید بھی کہتے ہیں یعنی کسی جملہ کو مؤکد یعنی

تاکید واصرار کے ساتھ کہتے وقت "ہی" کا استعمال ہوتا ہے۔ یعنی گنگوہی صاحب مذکورہ آیت کریمہ کے ضمن میں یقین اور زور دے کر اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ نانوتوی صاحب سے پیدا شدہ بچوں کی میں اکیلا ضرور پرورش کرتا ہوں۔ یعنی بند لفظوں میں گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب کے ساتھ زوجیت کے قیاسی رشتہ کا اعتراف کر لیا ہے۔

⊙ صرف قیاسی رشتۂ زوجیت تک ہی گنگوہی صاحب محدود نہیں رہے۔ بلکہ طالب علمی کے زمانے میں چار سال تک ایک ساتھ کھا، پی، اٹھ، بیٹھ، سو، جاگ، پڑھ اور رہ کر گزارے ہوئے سہانے دنوں کی رنگین یادیں گدگدانے لگیں۔ ماضی میں اپنے یار ومحبوب کے ساتھ پیار ومحبت کے لمحات حسین یادوں کے گلدستے لیکر دماغ کے دریچے کو کھٹکھٹانے لگے۔ ادھورے اور مرجھائے ہوئے ارمان جو دل کے ویران کونے میں کاہلی اور اداسی کا لبادہ اوڑھ کر بے حس وحرکت خوابیدہ تھے، وہ یکا یک ایک نئے جوش وخروش کے ساتھ انگڑائیاں لیتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنا یار سپنوں کی رانی بن کر بشکل دلہن خواب میں زوجیت کے رشتہ سے منسلک ہوتا نظر آنے لگا۔ لیکن خواب بھی بالآخر خواب ہی ہے۔ آنکھ بند ہونے کے عالم میں نظر آنے والے سنہرے منظر آنکھ کھلتے ہی حباب منثور ا ہو کر کافور ہو جاتے تھے اور دل مضطر کو بے قراری کی شدت اور اذیت پہنچاتے تھے۔ صبر وتحمل کا پیمانہ اب لبریز ہو چکا تھا اور ایک وقت وہ آیا کہ پیمانہ چھلک گیا۔ پھر کیا ہوا؟

بھری محفل میں گنگوہی صاحب نانوتوی صاحب کو ایک چارپائی پر......؟

⊙ قارئین کرام پہلے مندرجہ ذیل حکایت کا بغور مطالعہ فرمائیں:۔

حکایت: ۳۰۵ "حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب عم محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہیؒ اور نانوتویؒ کے مرید وشاگرد سب جمع تھے۔ اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے۔ کہ حضرت گنگوہی نے حضرت نانوتوی سے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا کہ یہاں ذرا لیٹ جاؤ۔ حضرت نانوتوی کچھ شرمائے (۸)۔ مگر حضرت نے پھر فرمایا تو مولانا بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے۔ حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے اور مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا۔ جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے۔ مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو۔ یہ لوگ کیا کہیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہنے دو" حاشیہ

---

(۸) کچھ تو بات تھی جس پر نانوتوی صاحب شرما گئے ورنہ وہ گنگوہی صاحب کو منع کیوں کرتے؟ (ابو معاویہ)

حکایت = ۳۰۵۔ اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔ کیا اہل تصنع ایسا کر سکتے ہیں۔ ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے اور مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا تجلت پر غالب تھا اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ تجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کر دیا۔ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر ست۔

(۱) "حکایات اولیاء"، از: مولوی اشرف علی تھانوی، مع اشرف التنبیہ وحاشیہ، ناشر: زکریا بک ڈپو، دیوبند، ضلع: سہارنپور (یوپی)، حکایت نمبر: (۳۰۵)، ص: (۲۷۳)

(۲) "ارواح ثلاثہ"، از: مولوی اشرف علی تھانوی، باہتمام: مولوی ظہور الحسن کسولوی، ناشر: کتب خانہ امداد الغرباء، سہارنپور (یوپی)، حکایت نمبر: (۳۰۵)، ص: (۲۸۹)

وھابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے نام نہاد "حکیم الامت" اور "مجدد" مولوی اشرف علی صاحب تھانوی اس واقعہ کو روایت فرماتے ہیں، (۹) یہی ایک بات ہی اس واقعہ کی صحت کیلئے دیوبندی مکتبہ فکر کیلئے کافی ہے۔ لیکن تھانوی صاحب اس واقعہ کے صحیح ہونے کے ثبوت میں اپنی جماعت کے دو معتبر راویوں کا حوالہ پیش کر رہے ہیں اور ان دونوں راویوں نے کسی سے سن کر نہیں بلکہ بھری مجلس میں حالت بیداری میں اپنی آنکھوں سے مشاہدہ کرنے کے بعد روایت کیا ہے۔ ان کی حیثیت تھانوی صاحب کے نزدیک "ثقہ راوی" یعنی معتبر اور معتمد راوی کی ہے۔ یعنی انھوں نے جو واقعہ تھانوی صاحب سے روایت کیا اور ان سے سماعت کر کے تھانوی صاحب نے جو واقعہ کتاب میں بیان کیا ہے وہ سو فیصد (100%) سچا واقعہ ہے۔ آنکھوں دیکھا واقعہ ہے، کسی کا گھڑا ہوا یا گھڑا نہیں بلکہ حقیقت پر مبنی اور سچ وقوع پذیر معاملہ ہے۔ جس کے سچ ہونے میں ذرہ برابر بھی شک و شبہ کا امکان نہیں۔ اسی لئے تو واقعہ بیان کرنے سے پہلے تھانوی صاحب نے معتبر راویوں کے نام کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ "**حضرت والد ماجد مولانا حافظ محمد احمد صاحب، عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہما نے بیان فرمایا کہ**" کیا بیان فرمایا؟

"**ایک دفعہ گنگوہ کی خانقاہ میں مجمع تھا۔ حضرت گنگوہی اور حضرت نانوتوی کے مرید و شاگرد سب جمع تھے اور یہ دونوں حضرات بھی وہیں مجمع میں تشریف فرما تھے**" یعنی جو معاملہ وقوع پذیر ہوا، وہ تنہائی میں، بند کمرے میں نہیں ہوا بلکہ بر سر عام یعنی کھلم کھلا ہوا ہے۔ انجان اور پرائے لوگوں کے سامنے نہیں ہوا ہے بلکہ

---

(۹) اس شرمناک واقعہ کو مولوی محمد اقبال دیوبندی خلیفہ مولوی زکریا کاندھلوی نے اپنی کتاب "اکابر کا تقویٰ" میں بھی بیان کیا ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ جن کے اکابر کا تقویٰ ایسا شرمناک ہے ان کا گناہ کس قدر بھیانک ہوگا (ابومعاویہ)

اپنے خاص الخاص احباب یعنی مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی میں ہوا ہے۔ صرف دو پانچ یا دس بارہ مرید و شاگرد کے سامنے نہیں ہوا ہے بلکہ بقول تھانوی صاحب "مرید و شاگرد سب جمع تھے" یعنی جمعیت طلبہ اور حلقۂ مریدین سب کے سب جمع تھے۔ ان مریدوں اور شاگردوں کے پیر صاحب اور استاد محترم بھی یک روح ۔دو قالب کی حیثیت سے موجود تھے۔ یعنی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب بھی اس محفل میں جلوہ افروز تھے۔

گنگوہی صاحب کی محبت کا سفر اور اس کی انتہاء:

گنگوہی صاحب طالب علمی کے زمانہ سے نانوتوی صاحب سے جسم و روح کا تعلق رکھتے تھے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا محبت میں اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ گنگوہی صاحب کو خواب میں ایسے مناظر نظر آنے لگے کہ نانوتوی صاحب دلہن بنے ہوئے ہیں اور گنگوہی صاحب کا نکاح نانوتوی صاحب (صاحبہ) سے ہوا۔ رشتۂ زوجیت کے تقاضے پورے کرتے ہوئے دونوں کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچا۔ جیسا کہ میاں بیوی کو ایک دوسرے سے فائدہ پہنچتا ہے۔ گنگوہی صاحب کے تخیل اور تصور میں نانوتوی بیگم کا وجود ایسا چھایا ہوا تھا کہ فنائیت کی منزل عبور کر چکا تھا۔ آج شاگردوں اور مریدوں سے کھچا کھچ بھری محفل میں نانوتوی صاحب کی موجودگی نے دل کے خاموش اور سوئے ہوئے ارمانوں کو اتنا زور سے جھنجھوڑا کہ گنگوہی صاحب کے صبر و تحمل کا پیمانہ چھلک گیا اور بقول شاعر۔

بنتی نہیں ہے صبر کو رخصت کئے بغیر　　　کام ان کی بے قرار نگاہوں سے پڑ گیا

صبر و تحمل کا دامن گنگوہی صاحب کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔ بلکہ "پیار کیا، تو ڈرنا کیا؟" والا معاملہ ہوگیا۔ اب تک جس کی محبت کا چھپ چھپ کر دم بھرتے تھے اور ہجر کی آگ میں اپنے دل کو جلاتے تھے بلکہ بھونتے تھے اور جو دھواں اٹھتا تھا، اس سے دم گھٹتا تھا۔ عرصہ دراز سے اس گھٹن کو ضبط کر کر کے اکتا گئے تھے۔ دل میں امنڈتے ہوئے ارمانوں کے سمندر کو آج تک قابو میں رکھا۔ لوگوں اور سماج کے پاس و لحاظ نے شرم و حیاء کے دائرے میں محدود اور مقید کر رکھا تھا اور "مروالے کے پھوٹے کرم" اور "شرم ہی شرم میں کام تمام ہوا" والی امثال پر عمل پیرا ہونے کی وجہ سے لقائے محبوب سے محروم و مایوس ہی رہا۔ لہٰذا اب "شرم چہ کتی ست کہ پیش مرداں آید" والی مثل کو اپنائے بغیر چارہ نہیں کب تک "دم گھٹ گھٹ کر رہنا" پر عمل کر کے

صبر و تحمل کی کلفت برداشت کروں؟ اب تو "حیا آنکھوں سے دھو ڈالنا" اشد ضروری ہو گیا ہے۔ مرید اور شاگرد بڑی تعداد میں موجود ہیں تو کیا ہوا؟ انھیں بھی سچی محبت کا درس سکھا دوں اور باور کرادوں کہ سچی محبت کرنے والے کسی سے بھی نہیں ڈرتے۔

نانوتوی کی محبت کے نشے میں سرشار گنگوہی صاحب نے بھری محفل میں اپنے مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی میں اپنی بیباک محبت کا مظاہرہ کرتے ہوئے نانوتوی صاحب سے عام لہجہ میں نہیں بلکہ بقول تھانوی صاحب "محبت آمیز لہجہ میں فرمایا" یعنی محبت سے بھرے ہوئے انداز میں حکم دیا۔ محبت اور حکومت سے مرکب حکم صادر فرمایا۔ جیسے کوئی شوہر اپنی فرمانبردار جورو کو حکم دیتا ہے۔ حکم کیا تھا؟ "یہاں ذرا لیٹ جاؤ" ہائے ہائے۔ توبہ توبہ (۱۰) لیٹ جاؤں اور وہ بھی بھری محفل میں؟ مرید اور شاگرد سے بھری ہوئی محفل میں کیوں کر لیٹوں؟ میں تو مارے شرم کے مر ہی جاؤں۔ ایسی بے حیائی اور بے شرمی مجھ سے نہیں ہو سکتی۔ لہذا نانوتوی صاحب "کچھ شرما سے گئے"

(۱۱) شرم کی وجہ سے نہیں لیٹے۔ لیکن گنگوہی صاحب نے تو یہی ٹھان لیا تھا کہ کچھ بھی ہو، آج تو خوابوں کی ملکہ بیگم نانوتوی کو بھری محفل میں لیٹا کر ہی رہوں گا۔

پہلی مرتبہ محبت آمیز لہجہ میں لیٹ جانے کا حکم دیا۔ مگر نانوتوی صاحب شرما کر رہ گئے اور حکم کی تعمیل

(۱۰) دیوبندی حضرات کے امام مولوی سرفراز خان صفدر گکھڑوی کہتے ہیں کہ اس طرح کے کام معمر (عمر رسیدہ) بزرگوں سے متصور نہیں (ملخصاً تفریح الخواطر فی رد تنویر الخواطر، ص ۷۰، مکتبہ صفدریہ گھنٹہ گھر گوجرانوالہ) تو اس کا جواب یہ ہے کہ بچوں کے سچے نبی صادق ﷺ کا یہ فرمان بھی ذہن نشین رہے کہ "بوڑھے کا دل دو چیزوں کی آرزو میں ہمیشہ جوان رہتا ہے (۱) حب الدنیا یعنی دنیا کی محبت (۲) وطول الامل یعنی خواہش کی درازی میں۔ (صحیح بخاری، ج ۴، ص ۲۲۳، رقم الحدیث: ۶۴۲۰ دار الکتب العلمیۃ بیروت) یہاں آپکے بزرگوں نے بدکرداری کے حوالے سے معمر بزرگوں سے بھی اعتماد اٹھنے کی مثال قائم کردی اور اس بات کو عملاً ثابت کردیا کہ بچپن اور پچپن یکساں ہوتے ہیں۔ جو خواہش اور کام طالب علمی کے زمانے سے جاری و ساری تھا اور عادت بن چکا تھا وہی عادت بڑھاپے میں بھی جوان کی جوان ہی رہی اور یاد رہے کہ عادت فطرت ثانیہ کہلاتی ہے، بدی کی خواہش بڑھاپے میں بھی جوان رہ سکتی ہے اور یہ بات حدیث سے صاف ظاہر ہے۔ کہتے ہیں بندر چاہے جتنا بوڑھا ہو جائے پر قلابازی کھانا نہیں بھولتا۔ یہی حال دیو کے بندروں کا ہے (ابومعاویہ)

(۱۱) لیٹ جاؤں اور وہ بھی بھری محفل میں؟ مریدوں اور شاگردوں سے بھری ہوئی محفل میں کیوں کر لیٹوں؟ میں تو مارے شرم کے مر ہی جاؤں۔ ایسی بے حیائی اور بے شرمی مجھ سے نہیں ہو سکتی۔ لہذا نانوتوی صاحب "کچھ شرما سے گئے"۔ (ابومعاویہ)

میں تامل کیا۔ لہذا مکرر حکم نافذ فرمایا۔ "مگر حضرت نے پھر فرمایا تو مولانا بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے"۔ (۱۲) نانوتوی صاحب سمجھ گئے تھے کہ سیاں اب ماننے والے نہیں۔ ان کی عادت سے اچھی طرح واقف ہوں۔ ایک مرتبہ جس کام کی ٹھان لی وہ پوری کر کے ہی چھوڑیں گے۔ اپنی ضد پوری کر کے ہی رہیں گے۔ ہرگز ماننے والے نہیں۔ مجھ کو لیٹا کر ہی رہیں گے۔ لہذا شرمانا اور ناز نخرے کرنا بیکار اور بے سود ہے۔ اب شرم و حیاء کا لبادہ اتار پھینک کر میں بھی اپنے عاشق کے شرارتی عشق کے رنگ میں رنگ جاؤں، یہی مناسب ہے بلکہ جنونِ عشق کا تقاضا بھی یہی ہے۔ یہ خیال کرتے ہوئے نانوتوی صاحب لیٹ گئے۔ محبت کے آداب و اطوار بجالاتے ہوئے "بہت ادب کے ساتھ" لیٹ گئے۔ صرف "ادب کے ساتھ" نہیں بلکہ "بہت ادب کے ساتھ" واہ! کیا ادب ہے۔ کیا تعظیم و لحاظ ہے!!! عشق نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں ادب و تعظیم کے تقاضوں کو نامناسب کہنے والے گروہ کے پیشوا عشق فاسد کے ادب و احترام کے تقاضوں کی بجا آوری میں کس قدر غلو سے کام لے رہے ہیں۔

نانوتوی صاحب کا چارپائی پر لیٹنے کا ادب:

نانوتوی صاحب بہت ادب کے ساتھ لیٹے اور کیسے لیٹے؟ بقول تھانوی صاحب "چت لیٹ گئے" یعنی عورت کی طرح۔ کیونکہ مرد و عورت جب ہمبستر ہوتے ہیں تو عورت ہمیشہ چت لیٹتی ہے۔ بستر میں مرد کے ساتھ سوتے وقت عورت کی عادت اور ہیئت کو آشکارا کرتے ہوئے نانوتوی صاحب بھی چت ہی

(۱۲) غصہ نہیں آیا بلکہ شرم آئی اور وہ اس وجہ سے کہ لوگ بیٹھے ہیں، یہاں یہ بات بھی مترشح ہوتی ہے کہ نانوتوی صاحب کا معمول تھا۔ شرم کی وجہ سے نہیں لیٹے۔ لیکن گنگوہی صاحب نے تو یہی ٹھان لیا تھا کہ کچھ بھی ہو، آج تو خوابوں کی ملکہ بیگم نانوتوی کو بھری محفل میں لیٹا کر ہی رہوں گا۔ پہلی مرتبہ محبت آمیز لہجہ میں لیٹ جانے کا حکم دیا۔ مگر نانوتوی صاحب شرما کر رہ گئے اور حکم کی تعمیل میں تامل کیا۔ لہذا مکرر حکم نافذ فرمایا۔ "مگر حضرت نے پھر فرمایا تو مولانا بہت ادب کے ساتھ چت لیٹ گئے"۔ پہلے انکار پھر اقرار آخر وجہ کیا ہے اس فرمانبرداری کی؟ وجہ یہ ہے کہ پہلے تو مارے شرم کے نانوتوی صاحب بھول گئے مگر پھر اچانک یاد آیا کہ یہ وہی گنگوہی صاحب ہیں جو فرماتے ہیں "سن لو حق وہی ہے جو میری زبان سے نکلتا ہے اور میں بقسم کہتا ہوں کہ میں کچھ نہیں ہوں مگر اس زمانہ میں ہدایت و نجات موقوف ہے میری اتباع پر" (تذکرۃ الرشید، ج ۲، ص ۱۷، مطبوعہ ادارہ اسلامیات) تو فوراً خیال آیا کہ مجھ (نانوتوی) پر حضرت والا (گنگوہی) کی اتباع کرنا ان کا حکم ماننا فرض ہے ورنہ میری نجات نہیں ہوگی تب انکار کو اقرار میں بدلنا پڑا۔ (ابومعاویہ)

لیٹے۔ پھر کیا ہوا؟

"حسن حفاظت کرتا ہے اور جوانی سوتی ہے"

کے مطابق نانوتوی صاحب کی دلفریب، دل بستہ، دل آرا، دل پذیر، دل چسپ اور دل نشین ادا دیکھ کر گنگوہی صاحب کی حالت "دل ہی جانتا ہے۔ دل ہی کو معلوم ہے" کی طرح ہوگئی۔ اب دل اپنے قابو میں نہیں۔ بقول شاعر "جب شمع کا شعلہ لہرایا۔ اُڑ کے چلا پروانہ بھی" کے مطابق گنگوہی صاحب بھی اُڑ چلے اور بقول تھانوی صاحب "حضرت بھی اسی چارپائی پر لیٹ گئے"۔ بھری محفل میں محب ومحبوب یا پھر عاشق و معشوق کہو دونوں اب ایک ہی چارپائی پر موجود ہیں۔ وصل محبوب اور لقاء معشوق کے حسین لمحات رونما ہو رہے ہیں۔ گنگوہی صاحب گویا اپنی منزلِ مقصود کو پہنچ گئے۔ مرادِ قلبی حاصل ہوگئی۔ دل کے ادھورے ارمان پورے ہونے کا سنہرا موقعہ آگیا۔ آرزو اور حسرت کی تکمیل کی سعادت میسر ہو چکی۔ طالب علمی کے زمانے کا ہم سبق یار اب ہم بستر ہے۔ دل کا کنول کھل گیا اور دل کی آگ بجھانے کی گھڑی آپہنچی۔ چارپائی پر لیٹتے ہی گنگوہی صاحب نے "مولانا کی طرف کو کروٹ لے کر اپنا ہاتھ ان کے سینے پر رکھ دیا" خوش نصیب ہو گئے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کے وہ مرید اور شاگرد جنہوں نے بھری محفل میں مشترکہ طور پر اپنے استاد و مرشد کے "لو پریم" کا منظر اپنے ماتھے کی آنکھوں سے دیکھنے کی سعادت حاصل کی۔ قابل صد مبارک باد ہیں وہ طلبہ اور مریدین اور ساتھ میں رسوائے زمانہ کتاب "مطالعۂ بریلویت" کے مصنف پروفیسر خالد محمود صاحب مانچسٹروی جنہیں ایسے دو پیشواؤں کی اتباع کا شرف حاصل ہے، جو ہم جنسی الفت و رغبت کی ایسی اعلیٰ منزل پر متمکن تھے، جہاں پہنچ کر وہ اس حدیث شریف کے کامل مصداق اور مثل بن گئے کہ "اذا لم تستح فاصنع ماشئت" یعنی "جب تو بے حیا ہو گیا تو جو چاہے کر" اور واقعی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے وہ کر دکھایا، جس کو پڑھ کر بھی ایک غیرت مند اور مہذب شخص کا سر مارے شرم کے جھک جائے۔

گنگوہی صاحب نے چارپائی پر لیٹنے کے بعد نانوتوی صاحب کی طرف کروٹ لے کر اپنا ہاتھ نانوتوی صاحب کے سینے پر رکھ دیا۔ ان کا ہاتھ رکھنا کچھ اس انداز کا تھا کہ جیسے ایک عاشق صادق اپنی معشوقہ کے سینے پر ہاتھ رکھ کر ایسی کوئی حرکت کرے جو باعث لذت و تسکین قلب ہو۔ گنگوہی صاحب نے ایسا کیا کیا؟ وہ تو چشم دید شاہد کی حیثیت سے ان کے مرید اور شاگرد ہی جانیں، لیکن "قیاس کن زگلستانِ من

بہار مرا" یعنی "میرے گلستان سے میری بہار کا قیاس کر" والی مثل سے موجودہ حالت سے کنندہ حالت کا اندازہ ہوتا ہے کے مطابق گنگوہی صاحب نے ایسی کوئی حرکت کی ہو، ایسا امکان اور غالب گمان ہے۔ اسی لئے تو نانوتوی صاحب کے سینے (چھاتی) پر ہاتھ رکھنے کی گنگوہی صاحب کی حرکت کو تھانوی صاحب یوں بیان فرماتے ہیں کہ "جیسے کوئی عاشق صادق اپنے قلب کو تسکین دیا کرتا ہے"۔

گنگوہی صاحب اپنا ہاتھ نانوتوی صاحب کے سینے پر رکھنے کے بعد خاموش اور بے حرکت نہیں پڑے رہے بلکہ انھوں نے کچھ ایسی نازیبا اور بے حیائی کی حرکتیں شروع کر دیں، جو باعث شرم و خجلت ہو۔ گنگوہی صاحب کی وہ شرم و حیا سے عاری حرکتیں ایک دو مرتبہ کی نہ تھیں بلکہ متعدد مرتبہ کی تھیں۔ کیونکہ بقول تھانوی صاحب "مولانا ہر چند فرماتے ہیں کہ میاں کیا کر رہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے" یعنی گنگوہی صاحب نے چارپائی پر لیٹنے کے بعد نانوتوی صاحب کی طرف کروٹ لے کر ایسی حرکتیں کرنی شروع کر دیں کہ نانوتوی صاحب بھی مارے شرم کے پانی پانی ہو گئے اور گنگوہی صاحب کی عاشقانہ حرکتیں مسلسل جاری تھیں اور رکنے کا نام نہیں لیتی تھیں۔ لہٰذا نانوتوی صاحب عاجزی کرتے ہوئے "ہر چند" اپنے "میاں" کو سمجھاتے تھے اور روکنے کی کوشش کرتے ہوئے کہتے تھے کہ "میاں کیا کر رہے ہو"۔ نانوتوی صاحب ہر چند یعنی بہتیرا فرماتے رہے کہ میاں کیا کر رہے ہو؟ اپنے میاں کو جنون عشق کے جوش سے ہوش میں لانے کیلئے نانوتوی صاحب ہر مرتبہ ٹوکتے تھے کہ یہ کیا حرکت کرتے ہو؟ اور ہوش میں لانے کیلئے مریدوں اور شاگردوں کی موجودگی کا احساس دلاتے ہوئے کہتے تھے کہ "یہ لوگ کیا کہیں گے"

مگر گنگوہی صاحب نہ مانتے تھے اور نہ ہی رُکتے تھے۔ بڑی مشکل سے ایسا سنہرا موقع ہاتھ لگا تھا۔ بھاڑ میں جائے دنیا۔ ان لوگوں کا لحاظ کر کے ہاتھ لگی دولت عشق کے خزانے سے ہاتھ روک لوں ایسا کم ظرف و کم حوصلہ تو میں نہیں۔ او میری نانوتوی بیگم ان لوگوں کے کہنے کا خیال مت کرو۔ صرف میرا خیال کرو۔ میری کیا حالت ہے، وہ تو ذرا دیکھو۔ بقول شاعر:-

کب سے سلگ رہی ہے جوانی کی گرم رات
زلفیں بکھیر کر میرے پہلو میں آیئے

اس شعر کے مصرعۂ ثانی کو اس طرح بدل دو کہ:-

"داڑھی بکھیر کر میرے پہلو میں آیئے"

لوگوں کو کہنے دو:

گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب کی ایک نہ سنی۔ بیچارے نانوتوی صاحب! ہر چند کہتے رہے کہ میاں! شرم کرو۔ ایسی حرکت سے باز آؤ۔ ہم دونوں کے مرید اور شاگرد موجود ہیں اور ہمارے عشق کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ذرا ان کا خیال اور لحاظ کرتے ہوئے ایسا و یسا مت کرو۔ خلوت میں کرنے کی حرکتیں جلوت میں مت کرو (۱۳) یہ لوگ کیا کہیں گے؟ مگر گنگوہی صاحب پر ایسی جنونی کیفیت اور دیوانگی طاری تھی کہ شرم و حیا اور کو بالائے طاق رکھ کر فرمایا کہ "لوگ کہیں گے، کہنے دو" (۱۴) گنگوہی صاحب کو اس کی قطعا پرواہ نہیں کہ لوگ کیا کہیں گے۔ اگر کچھ کہیں گے بھی تو بعد میں دیکھا جائیگا۔ اس وقت ان سب خطرات کا خیال کر کے مزہ کرکرا نہیں کرنا۔ اس وقت تو محبت کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں ڈوب جانے دو۔

قارئین کرام سے التماس ہے کہ مذکورہ بالا خانقاہ گنگوہ کی حکایت کے ضمن میں مندرج "حاشیہ حکایت" اور دیگر اہم نکات کی طرف اپنی توجہات مرکوز فرمائیں۔ جو اختصارا حسب ذیل ہیں:۔

تھانوی صاحب کا حاشیہ:

---

(۱۳) گنگوہی صاحب نے نانوتوی صاحب کی ایک نہ سنی۔ بیچارے نانوتوی صاحب ہر چند کہتے رہے کہ میاں! شرم کرو۔ لوگوں کے سامنے ایسی حرکت سے باز آؤ۔ ہم دونوں کے مرید اور شاگرد موجود ہیں اور ہمارے عشق کا تماشا دیکھ رہے ہیں۔ ذرا ان کا خیال اور لحاظ کرتے ہوئے ایسا و یسا مت کرو۔ خلوت میں کرنے کی حرکتیں جلوت میں مت کرو خدا کی پناہ! جب جلوت میں یہ حال تھا تو خلوت میں کیا کیا ہوتا رہا ہوگا؟ جلوت کی یہ کہانی تھانوی کی زبانی باہر آ ہی گئی تو قارئین اندازہ لگائیں کہ جب جلوت میں گنگوہی صاحب کی بے شرمی کا یہ جلوہ ہے تو خلوت میں۔۔۔؟؟؟؟ (ابو معاویہ)

(۱۴) یہ لوگ کیا کہیں گے؟ مگر گنگوہی صاحب پر ایسی جنونی کیفیت اور دیوانگی طاری تھی کہ شرم و حیا کو بالائے طاق رکھ کر فرمایا کہ "لوگ کہیں گے، کہنے دو" خیال رہے کہ یہ گنگوہی صاحب کا حکم ہے "لوگ کہیں گے کہنے دو۔" اور یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ گنگوہی صاحب کی زبان سے نکلنے والی بات دیوبندیوں کے نزدیک حق ہوتی ہے، لہٰذا یہ راز فاش ہوتے ہی لوگوں نے ان حرکات پر بولنا شروع کر دیا اور بالآخر گنگوہی صاحب کے منہ سے نکلی ہوئی بے حیائی کی قے (Vomiting) لعن و طعن کی صورت میں آج انگی دیوبندی امت چاٹ رہی ہے۔ لہٰذا کہنے والوں کو کہنے کا حق خود گنگوہی صاحب نے دیا ہے، اسلئے دیوبندیوں کو اس پر بالکل برا نہیں منانا چاہئے بلکہ گنگوہی صاحب کی طرح بے حیاء بن کر انگی اتباع کی جائے ورنہ دیوبندیوں کی نجات مشکل ہے۔ (ابو معاویہ)

تھانوی صاحب کی تالیف کردہ کتاب "حکایات اولیاء" جس کا پرانا نام "ارواح ثلاثہ" ہے، اس کتاب میں تھانوی صاحب نے ان لوگوں کے حالات زندگی کے اہم واقعات بیان فرمائے ہیں۔ جن کو وہابی، دیوبندی اور تبلیغی جماعت کے لوگ دینی پیشوا، ولی، بزرگ، مقتدا، رہنما، ہادی اور معتبر و معتمد عالم دین مانتے ہیں۔ ان کے حالات زندگی اور سوانح کی اشاعت کا اصل مقصد یہی ہے کہ ان کے حالات زندگی پڑھ کر لوگ نصیحت حاصل کریں، ان کے نقش قدم پر چلیں اور اپنی زندگی کو سنواریں۔ خانقاہ گنگوہ کا مذکورہ واقعہ پڑھ کر لوگ کیا نصیحت حاصل کریں گے؟ ان کے نقش قدم پر چل کر کیا فلاح اور ہدایت پائیں گے؟ اور خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں نانوتوی صاحب کے ساتھ گنگوہی صاحب کا ایک چارپائی پر لیٹنے والی عشقیہ داستان پڑھ کر لوگ کیا سبق حاصل کریں گے؟ اور کونسی فلاح اور ہدایت پائیں گے؟ بلکہ اس کے برعکس مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے افراد ایسے فحش واقعہ کو پڑھ کر مزید جری ہوں گے اور یہ کہہ کر اعلانیہ طور پر ارتکاب ذنوب میں مبتلاء ہوں گے کہ جب مولوی لوگ ایسی حرکت بھری محفل میں کر سکتے ہیں تو ہم کس کھیت کی مولی ہیں جب دیندار اور مذہبی پیشوا کے منصب پر فائز حضرات ایسے فعل قبیح کو بلا جھجک کرتے ہوئے شرماتے نہیں، تو ہم تو پکے دنیادار ٹھہرے۔

علاوہ ازیں اسلام دشمن طاقتیں اور میڈیا جو اسلام کی خوبیوں اور اچھائیوں پر بھی بے تکے اور بے جوڑ اعتراضات کر کے اسلامی تقدس کو داغدار کرنے کی سعی میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑتے، اگر ان کے ہاتھوں خانقاہ گنگوہ میں علانیہ طور پر کی گئی فحش حرکت آ گئی، تو وہ اسلام دشمن افراد اس میں مرچ مصالحہ ملا کر عالمی پیمانے پر تشہیر کر کے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام و ذلیل کرنے میں کسی قسم کی کوئی کمی باقی نہیں رکھیں گے؟ بلکہ ہم جنسی تعلقات (Homosexual) کے دلدادہ تو اس واقعہ کو بطور سند پیش کریں گے کہ مسلمانوں کے مذہبی پیشوا بھی ہماری طرح ہم جنس پرستی کے شوقین تھے۔

⊙ کیا خانقاہ گنگوہی کا واقعہ اس قابل ہے کہ اسے مذہبی کتاب میں جگہ دی جائے اور اسے شائع کیا جائے؟ ہرگز نہیں۔ لیکن برا ہو شخصیت پرستی اور اندھی عقیدت کا کہ دیوبندی مکتبہ فکر کے بے خرد مصنفین نے ایسے فحش اور حیاء سوز واقعہ کو لکھ مارا اور بے عقل ناشرین نے اسے چھاپ کر مشتہر کر دیا۔ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے خلوت میں کرنے کا کام جلوت میں کر ڈالا اور ان کے بیوقوف متبعین نے اسے چھپا

نے کے بجائے چھاپ دیا۔

⊙ غیرت تو اس بات پر ہے کہ خانقاہ گنگوہ کا فحش حادثہ صرف چھاپ کر ہی پیچھے سبکدوش نہیں ہوئے بلکہ ایسی فحش حرکت کو اپنے پیشوا کی خوبی اور کمال میں کھپانے کی مذموم کوشش کرتے ہوئے حکایت نمبر (۳۰۵) لکھنے کے بعد "حاشیہ حکایت (۳۰۵)" لکھ کر اپنے دل پھینک عاشق پیشواؤں کے کمال کے گیت گاتے ہوئے بے سُرے اور بے ڈھنگے راگ الاپے ہیں۔ حاشیہ حکایت میں لکھا ہے کہ "اس سے زیادہ خودداری کی فنا کی نظیر کیا ہوگی" اس جملہ کو وضاحت سے سمجھیں۔ خودداری کے معنی لغت میں ○ رکھ رکھاؤ یعنی تکلف، خاطرداری ○ غیرت ○ عزت (فیروز اللغات، ص:۵۹۹) وارد ہیں یعنی اس جملہ کے ذریعہ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کی غیرت وعزت اور خاطرداری کا ڈھنڈورا پیٹا گیا ہے کہ ہمارے یہ دونوں پیشوا ایسی عظیم عزت اور غیرت والے تھے کہ انھوں نے بھری محفل میں اپنی غیرت اور عزت کا جنازہ نکال کر ایک ایسا عظیم کارنامہ انجام دیا ہے کہ اس کی کوئی "نظیر" یعنی مثال پیش نہیں کی جاسکتی۔ واہ! کیا بے شرمی ہے!!! خانقاہ گنگوہ میں عاشق ومعشوق کا رول ادا کرتے ہوئے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب بھری محفل میں ایک چارپائی پر لیٹے۔ اپنے شاگردوں اور مریدوں کی موجودگی میں ایک چارپائی پر گنگوہی صاحب کے ساتھ لیٹنا اور گنگوہی صاحب کا "عاشق صادق" کی طرح برتنا، ایسا گھناؤنا اور قبیح کام تھا کہ خود نانوتوی صاحب بھی شرماتے تھے اور اپنے "میاں" گنگوہی صاحب کو روکنے کی کوشش کرتے تھے اور شاگرد ومرید کی موجودگی کا احساس دلا کر کنٹرول (Control) کرنے کی سعی تمام کرتے تھے۔ مگر گنگوہی صاحب جنونِ عشق کے جوش میں ایسے بے خود تھے بلکہ ایسے بے غیرت وبے شرم بن گئے تھے کہ حاضرینِ مجلس کی موجودگی کو بھی خاطر میں نہ لائے اور جو کچھ کرنے کا عزم وارادہ اپنے چنچل من میں ٹھان رکھا تھا، اُس سے باز نہ آئے۔ المختصر! گنگوہی صاحب نے حیاء آنکھوں سے دھو ڈال کر بے حیائی، بے شرمی، بے غیرتی اور بے لحاظی کا ایسا فاش مظاہرہ کیا کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ ایسی بے حیائی کے ارتکاب سے اُن کی عزت میں اضافہ نہیں ہوا بلکہ عزت کا دیوالہ نکل گیا۔ لیکن افسوس کہ دیوبندی پیشواؤں کے چمچے چمچاگیری کا حق ادا کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اس سے زیادہ عزت وآبرو کی فنا کی نظیر کیا ہوگی۔

⊙ اپنے بے شرم پیشواؤں کے بے شرمی پر مشتمل ارتکاب پر نادم اور خجلت زدہ ہونے کے

بجائے فخر کیا جارہا ہے۔ صرف فخر کرکے جی نہیں بھرا تو اُن لوگوں کی توبیخ اور ملامت کی جارہی ہے، جو واقعی میں غیرت مند، نیک خصلت اور مہذب ہیں۔ ذرا عبارت کے تیور ملاحظہ فرمائیں۔ "کیا اہل تصنع ایسا کرسکتے ہیں۔ ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے" یعنی خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب نے ایک چارپائی پر لیٹ کر جو کر دکھایا ہے، ایسا کارنامہ انجام دینا اور کسی کے بس کی بات نہیں۔ یہ تو صرف ہمارے گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب کا ہی حوصلہ اور بے باک جگر تھا، جو کھلم کھلا پریم کا ناٹک رچایا۔

عبارت میں غیرت مند، باحیا، باشرم، مہذب، نیک خصلت وطینت، پارسا، متقی، پرہیزگار اور صالح لوگوں کو "اہل تصنع" یعنی بناوٹ کرنے والے، مکر وفریب کرنے والے، دکھاوا کرنے والے، نیک اور متقی ہونے کا ڈھونگ رچانے والے کہا گیا ہے۔ یعنی ہمارے دو عظیم پیشواؤں نے خانقاہ میں بھری محفل میں بے خوف وخطر جو کچھ کر دکھایا ہے، ایسا اہل تصنع نہیں کرسکتے۔ "ان پر تو یہ موت سے زیادہ گراں ہے" واقعی سچ ہے۔ عزت وآبرو والا شخص ایسا کر ہی نہیں سکتا۔ کیونکہ اس کو اپنی عزت پیاری ہوتی ہے۔ بے شرمی کا کام کرکے عزت کو خاک میں ملانا، اس سے بہتر مرجانا ہے۔ جب عزت گئی تو زندگی کی لذت ہی گئی۔ باغیرت باحیاء گروہ کو طعنہ دیا جارہا ہے کہ اے عزت وآبرو کے متوالو! تم نے عزت اور غیرت کا لبادہ اُوڑھ رکھا ہے اور آبرودار بن کر سماج میں گھوم رہے ہو۔ لیکن تم عشق میں فنا ہونے کی سعادت سے یکسر محروم ہو۔ تم نے غیرت اور لحاظ کا ڈھونگ اور دکھاوا کر رکھا ہے۔ تم مُروّت اور اخلاق کے دائرے میں مقید ہوکر عابد خشک ہوکر رہ گئے ہو۔ عشق کیا ہے؟ اور عشق میں فنا ہونا کیا ہے؟ اس سے تم یک لخت غافل اور انجان ہو۔ ایک عاشق صادق کے جذبات دل اور عشق میں فنا ہوجانے کا ولولہ تمہیں نصیب ہی نہیں ہوا۔ عشق کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے سمندر میں غوطہ زنی کا حوصلہ ہی تم میں مفقود ہے۔ تم کیا جانو عشق کے امنڈتے ہوئے طوفان کی طغیانی کیا ہوتی ہے؟ اگر تمہیں اس امنڈتے ہوئے سیلاب کی دھار میں پھینک دیا جائے تو تم ہرگز تیر نہ سکو بلکہ پانی کی چادر میں اوجھل ہوکر ڈوب جاؤ۔ دریائے عشق میں تیراکی کے فن سے تم ناواقف ہو۔ اس فن کے ماہرین تو ہمارے پیشوا گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب تھے۔ جنھوں نے غیرت اور آبرو کے کپڑے اُتار ڈالے اور عشق محبوب اور وہ بھی ہم جنس محبوب کے عشق نازیبا کے طوفانی سمندر میں چھلانگ لگادی۔ شاگرد اور مریدے بھری

ہوئی مجلس کا لحاظ تک نہ کیا اور عشق میں فنا ہونا کیا ہے؟ اس کی مثال قائم کردی۔

⊙ بے حیائی اور بے شرمی پر مشتمل حکایت بیان کرنے کے بعد اس حکایت میں اہم کردار ادا کرنے والے خاص اداکار (Main Hero) گنگوہی صاحب کی فحش اداکاری کو داد دیتے ہوئے اور گنگوہی صاحب کی ایکٹنگ کو سراہتے ہوئے لکھا ہے کہ "مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا" یعنی گنگوہی صاحب اپنے معشوق نانوتوی صاحب کے عشق میں ایسے اور اس قدر فنا تھے کہ ان کا "رنگ فنا" ایسا گاڑھا اور پکا تھا کہ خجلت یعنی شرم وندامت پر غالب ہوگیا تھا۔ نانوتوی صاحب کے عشق میں ایسے فنا تھے کہ شاگرد ومرید سے بھری محفل میں بھی انھیں ذرہ بھر شرم وغیرت لاحق نہ ہوئی۔ خجلت یعنی شرم وندامت کو "خیرباد" کہہ کر نانوتوی صاحب کے ساتھ ایک ہی چارپائی پر لیٹ گئے، نانوتوی صاحب کی طرف کروٹ لی اور ایک عاشق صادق بلکہ ہجر ومفارقت کی آگ میں جھلستا عاشق اپنے جسم وجگر کی پیاس بجھانے اور دل مضطرب کو تسکین دینے کیلئے لقائے معشوق کے وقت جذباتی اور مشتعل ہوکر از خود وارفتگی کے عالم میں جو حرکت کرتا ہے۔ اس کا نمونہ پیش کردیا۔ یہاں تک کہ ان کی جذباتی کیفیت کی طغیانی دیکھ کر نانوتوی صاحب تلملا اُٹھے اور ایسا خوف محسوس کیا کہ اب یہ آہستہ آہستہ آگے بڑھیں گے۔ ہائے اللہ! میں تو مری جاؤں! اگر میرے "میاں" آگے بڑھے اور حد سے تجاوز کرگئے، تو قیامت تک میں اور میرے مرید وشاگرد کسی کو منہ دکھانے کے لائق نہ رہیں گے۔ بلکہ اس وقت اپنے مرید وشاگرد کے سامنے میری یہ حالت ہوگی کہ "زمین پھٹ جائے اور میں سما جاؤں" لہٰذا نانوتوی صاحب نے اپنے "میاں" گنگوہی صاحب سے جوش جوانی کا ولولہ ٹھنڈا کرکے حیا اور تہذیب کے ہوش میں آنے کیلئے یوں کہا کہ "میاں کیا کررہے ہو، یہ لوگ کیا کہیں گے" لیکن مرید وشاگرد کے گروہ کی موجودگی سے شرم محسوس کرنا اور بھری محفل کا لحاظ کرتے ہوئے اپنے جوش جوانی کے طوفان کو سرد اور معتدل کرنا گنگوہی صاحب جیسے عاشق صادق کے "رنگ فنا" کی شان کے خلاف تھا۔ کیا میں ایسا ڈرپوک اور بزدل ہوں جو ماحول کا لحاظ کرکے "غیرت سے کٹ جاؤں" اور ہاتھ آئی ہوئی سنہری گھڑی کو گنوا دوں؟ ارے شرم وغیرت کی تو ایسی ویسی۔ ہم تو اپنی من مانی کرکے ہی دم لیں گے۔ چاہے لوگ دیکھ رہے ہوں۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے؟ "ننگا سب سے چنگا" والی مثل کے ہم مصداق ہیں۔ ہمیں کسی کا لحاظ کرنے کی قطعاً کوئی ضرورت نہیں۔ آج تو شاگردوں اور مریدوں کو بھی ہمارے عشق کا تماشا دیکھنے دو۔ آج

انھیں عشق میں فنا ہونے کا درس عملی طور پر (Practically) سکھا دیں تاکہ وہ کبھی نہ بھولیں اور ہمیشہ یاد رکھیں۔ اپنے پیر اور استاد کا عملی طور پر سکھایا ہوا "فنائے عشق" کا سبق مستقبل میں مشعل راہ بن کر رہنمائی کریگا۔ ان پر بھی کبھی یہ دن آنے والے ہیں لہٰذا اب وہ اپنے پیر واستاد کے نقش قدم پر چل کر کامیابی اور کامرانی کی منزل تک بآسانی پہنچ جائیں گے۔

⊙ آخر میں ایک ایسا خطرناک جملہ لکھا ہے کہ "اور مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کردیا" یعنی مولوی قاسم نانوتوی کا ایک وصف وکمال بیان کیا جارہا ہے کہ انھوں نے خجلت یعنی شرم وحیاء پر فنا کا رنگ مجاہدہ کرکے غالب کردیا۔ اس حکایت نمبر (۳۰۵) کا جو حاشیہ لکھا گیا ہے، اس کا ماحصل یہ ہے کہ گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب دونوں کے اندر عشق میں فنا ہونے کا وصف اور حوصلہ تھا۔ لیکن ان دونوں کے اس وصف میں ایک فرق ہے۔ فرق کیا ہے۔ اس کو اچھی طرح سمجھنے کیلئے حاشیۂ حکایت نمبر (۳۰۵) کے جملوں کو بغور ملاحظہ فرمائیں:-

✪ گنگوہی صاحب کی تعریف وتوصیف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"مولانا گنگوہی کا یہ حال تھا کہ رنگ فنا خجلت پر غالب تھا"

✪ نانوتوی صاحب کا وصف وکمال یوں بیان کیا ہے کہ:-

"مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کردیا"

یعنی گنگوہی صاحب اور نانوتوی صاحب دونوں میں عشق میں فنا ہوکر شرم وحیاء (خجلت) پر غلبہ حاصل کرلینے کی خوبی تھی۔ یعنی وہ دونوں ایک دوسرے کے عشق میں ایسے فنا تھے کہ عشق ومحبت کے آداب اور قواعد وطریقے کی بجا آوری میں بالکل نہیں شرماتے تھے۔ یعنی ایسے بے حیاء اور بے شرم تھے کہ شاگردوں اور مریدوں کی موجودگی میں دونوں ایک چارپائی پر ساتھ لیٹ گئے اور عاشق ومعشوق کا ڈرامہ کر دکھایا۔ لیکن پھر بھی ان دونوں کی بے شرمی اور بے حیائی میں عظیم فرق تھا۔ گنگوہی صاحب میں "رنگ فنا خجلت پر غالب تھا" یعنی گنگوہی صاحب کی تو پہلے ہی سے بے شرمی وبے حیائی کی خصلت تھی۔ ان کی طبیعت وعادت ہی تھی کہ وہ دل پھینک عاشق کی طرح کسی پر فریفتگی کے معاملے میں ڈرتے اور شرماتے نہیں تھے۔ عشق میں ایسے فنا ہوجاتے تھے کہ شرم وحیاء کو پاس آنے ہی نہ دیتے تھے اور "شرم والے کے پھوٹے کرم" والی مثل پر عمل کرکے اپنے

ارمان دل کو پورا کرنے میں کسی کا لحاظ اور جھجک محسوس نہیں کرتے تھے۔ ان میں فنا کا رنگ پہلے ہی سے موجود تھا اور وہ رنگ ایسا پختہ تھا کہ فوراً خجلت پر غالب آجاتا تھا۔ کسی پر فنا یعنی وارفتہ ہوجانے کا رنگ ان کی عادت میں تھا۔ شرم و حیاء کو بالائے طاق رکھ کر وارفتگی اور فریفتگی کا مظاہرہ بے خوف و خطر کرتے تھے۔ یہ ان کی عادت اور فطرت تھی۔

لیکن!!!

شرمیلے نانوتوی صاحب:

⊙ نانوتوی صاحب عادۃً شرمیلے تھے۔ لیکن ان کو بھی شرم و حیاء کا دامن چاک کرنا پڑا۔ طالب علمی کے زمانے کی یعنی بچپن کی محبت کو دل سے بھلا دینا آسان نہیں۔ بوڑھے ہوگئے تو کیا ہوا؟ سینے میں مستور دل تو "ابھی تو میں جوان ہوں" کی صدا بلند کر رہا ہے۔ ماضی میں ساتھ بسر کئے ہوئے دنوں کی یاد سے تو "دل ڈانواں ڈول ہوتا ہے"۔ لیکن ہائے! مجبوری۔ میں دیوبندی جماعت کا مقتدا اور پیشوا ہوں۔ سینکڑوں کی تعداد میں شاگرد اور مرید ہیں۔ استاد و پیر کے منصب پر فائز ہوں۔ سماج اور معاشرہ کا لحاظ اجازت نہیں دیتا کہ اپنے عاشق صادق کا ساتھ نبھاتے ہوئے کھلم کھلا اور اعلانیہ طور پر پریم کا کھیل کھیلوں۔ میں آداب، تہذیب اور فنا در عشق کے درمیان بری طرح پھنس گیا ہوں۔ محبوب کے جذبات دل کا پاس رکھوں تو تہذیب و اخلاق کا دامن ہاتھ سے چھوٹتا ہے اور اگر شرم و حیاء کا پتلا بنوں تو محبوب کا قلب پاش پاش ہوتا ہے۔ کس کو اہمیت اور ترجیح دوں ؟ حالانکہ خود میرا دل بھی محبت کے تقاضوں کو پورا کرنے کا خواہش مند ہے۔ آج کل کی تازہ محبت تو ہے نہیں کہ التفات نہ کیا جائے بلکہ بہت پرانی اور اٹوٹ محبت ہے۔ مگر میں بھی عادت سے مجبور ہوں۔ شرمانا میری عادت اور خصلت ہے۔ عشق میں فنائیت کا رنگ پیدا کرکے عشق کا رنگ جمانے میں میری شرمیلی عادت مانع ہے۔ کیا کروں؟

ہاں ہاں! وہی کروں جو میرا محبوب چاہتا ہے۔ انجام چاہے کچھ بھی ہو، مجھے وہی کرنا ہے جو "میاں" چاہتے ہیں۔ میاں نے حکم دیا ہے کہ میں شاگرد اور مرید سے بھری ہوئی محفل میں چارپائی پر لیٹ جاؤں۔ یہ کیسے ممکن ہے؟ شرم و حیاء کی زنجیروں نے پاؤں جکڑ رکھے ہیں۔ غیرت اور لحاظ نے دامن پکڑ کر کھینچ رکھا ہے۔ محبوب کے حکم کی نہ تعمیل ہوسکتی ہے اور نہ ہی تامل۔ البتہ محبوب کا حق یہی ہے کہ اس کے حکم کی بجا

آوری کرکے اُسے شاد و خرم کروں۔ چاہے مجھے بدلنا ہی پڑے۔ میری خو کو تبدیل کرنا پڑے۔ اور واقعی نانوتوی صاحب نے وہ کر دکھایا۔ بقول تھانوی صاحب۔

"مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدے سے غالب کردیا"

یعنی نانوتوی صاحب نے اپنے کو گنگوہی صاحب کا "ہم رنگ" بنانے کیلئے "**مجاہدہ**" کیا۔ اب ہم مجاہدہ کے لغوی معنی دیکھیں اور مجاہدہ کیا ہے؟ اس پر بہت ہی اختصار کے ساتھ گفتگو کریں۔ "**مجاہدہ**" کے لغوی معنی ⊙ جدوجہد ⊙ جاں فشانی ⊙ نفس کشی یعنی خواہش کو مارنا ⊙ ریاضت وغیرہ (حوالہ: فیروز اللغات، ص: ۱۲۰۵)۔ نفس کشی یعنی نفس کو مارنے کیلئے اولیاء کرام اور صوفیائے عظام نے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں۔ تصوف میں مجاہدے کی بڑی ہی اہمیت ہے۔ راہ تصوف میں قدم رکھنے والے کو سب سے پہلے نفس کشی اور خواہشات پر قابو رکھنے کی تاکید کی جاتی ہے اور اسی سے تعلق رکھنے والے عملیات کی تعلیم دی جاتی ہے۔ مثلاً قلت طعام و منام یعنی کم کھانا، اور کم سونا، مسلسل روزے رکھنا، شب بھر بیدار رہ کر عبادت و ریاضت کرنا، بالکل سادہ کھانا کھانا، پھٹے پُرانے کپڑے پہننا، امیرانہ وضع قطع ترک کرکے فقیرانہ شکل و صورت اختیار کرنا، سختی کے ساتھ شریعت مطہرہ کی پابندی کرنا، وغیرہ۔ علاوہ ازیں ہمہ وقت ذکر و اشغال میں منہمک رہنا۔ المختصر! دنیا کے عیش و عشرت اور لذات سے منہ موڑ کر "توجہ الی اللہ" میں کامل طور پر راغب ہونا اور جسمانی خواہشات کو مار ڈال کر تقویٰ اور پرہیزگاری کا اُسوۂ حسنہ بننا، اسی کو عام اصطلاح میں مجاہدہ کہا جاتا ہے۔ المختصر! مجاہدہ (۱۵) کرنے سے پارسائی، زہد، تقویٰ، پرہیزگاری، پاکی، خدا کا خوف، شریعت کی پابندی اور گناہوں سے اجتناب کرنے کا وصف اور کمال حاصل ہوتا ہے۔

لیکن! نانوتوی صاحب نے مجاہدہ میں **اُلٹی گنگا بہانا** اور **اُلٹی مالا پھیرنا** والی مثل پر عمل پیرا ہونا اختیار کیا اور تقویٰ و پرہیزگاری کے رنگ میں رنگ جانے کے بجائے اپنے عاشق اور میاں گنگوہی صاحب کے ہم رنگ بن گئے۔ یعنی بقول تھانوی صاحب "**مولانا نانوتوی کا یہ کمال تھا کہ خجلت پر فنا کو مجاہدہ سے غالب کردیا**" یعنی شاگرد و مرید سے بھری مجلس میں گنگوہی صاحب کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹ کر شرم و حیاء کو الوداع کہہ کر بے شرمی کا مظاہرہ کرنا اُن کی عادت میں نہ تھا وہ تو شرمیلے تھے مگر انھوں نے ایسا مجاہدہ

---

(۱۵) دیوبندی حضرات کے جہاد کا علم تو ہر خاص و عام کو ہے لیکن انکے مجاہدے کا عالم بھی نرالا ہے۔ (ابومعاویہ)

(Struggle) کیا کہ شرم وحیاء کو مار ڈالا۔ خجلت کو چوراہے پر دفن کر دیا اور فنا کا وصف اپنے اندر پیدا کر دیا۔ یہ ان کا کمال تھا۔ ایسا ہنر اور ایسی لیاقت ہر کس و ناکس کو میسر نہیں۔ یہ تو صرف نانوتوی صاحب ہی کا کمال تھا کہ ایسا مجاہدہ فرمایا کہ شرم وحیاء کو رخصت کر دیا اور گنگوہی صاحب کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے خانقاہ گنگوہ میں بھری محفل میں اپنے عاشق ومحب کے ساتھ ایک چارپائی پر لیٹ گئے اور اپنے شاگردوں اور مریدوں کو ایک انوکھا درس دیا کہ محبت کرنے والے کبھی کسی سے ڈرتے نہیں۔

مطالعۂ بریلویت نامی رسوائے زمانہ کتاب کے مصنف جناب پروفیسر خالد محمود مانچسٹروی صاحب بھی خانقاہ گنگوہ کی داستان عشق پڑھ کر لطف اندوز ضرور ہوئے ہوں گے۔ مستقبل میں اگر "مجاہدہ" کے تعلق سے خامہ آرائی کرنے کا اتفاق ہو تو نانوتوی صاحب کے خرق عادت اور خلاف دستور مجاہدہ پر ضرور کچھ لکھیں۔

ادارہ تحفظ عقائدِ اہلسنت کی شائع کردہ کتب